الرسالہ
Al-Risāla

June 1997 • No. 247 • Rs. 8

غلطی کو ماننا غلطی کی اصلاح کرنا ہے
اور غلطی کی تاویل کرنا غلطی پر قائم رہنا

Masjid Quba, Madinah

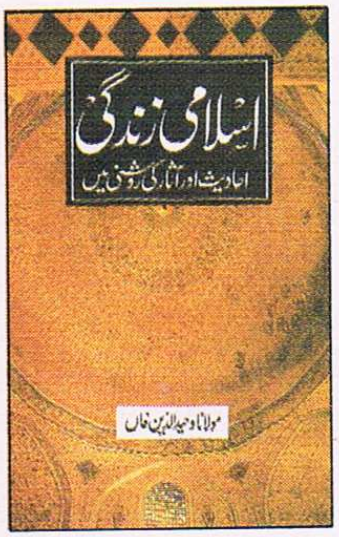
اسلامی زندگی
احادیث اور آثار کی روشنی میں
مولانا وحید الدین خاں

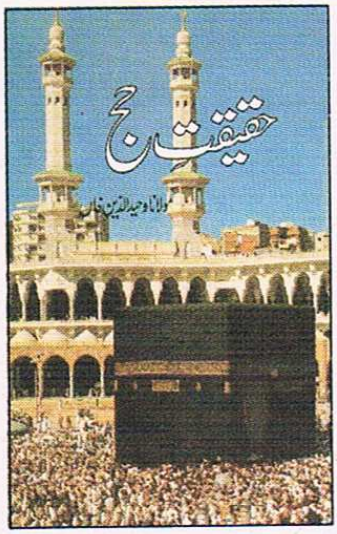
حقیقتِ حج
مولانا وحید الدین خاں

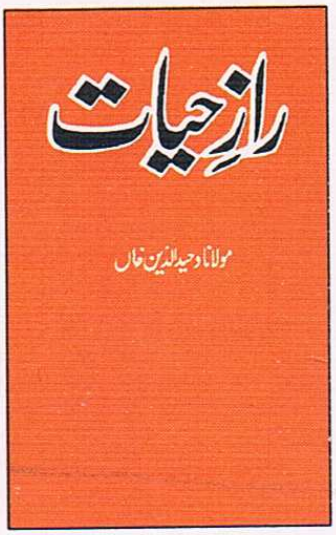
رازِ حیات
مولانا وحید الدین خاں

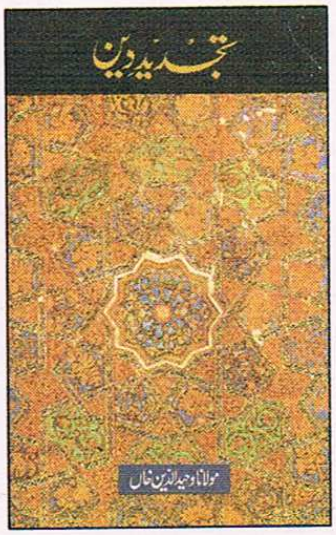
تجدید دین
مولانا وحید الدین خاں

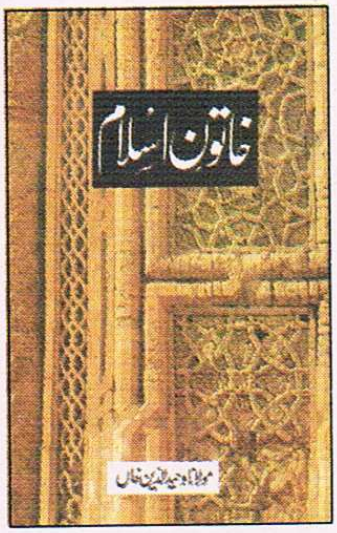
خاتونِ اسلام
مولانا وحید الدین خاں

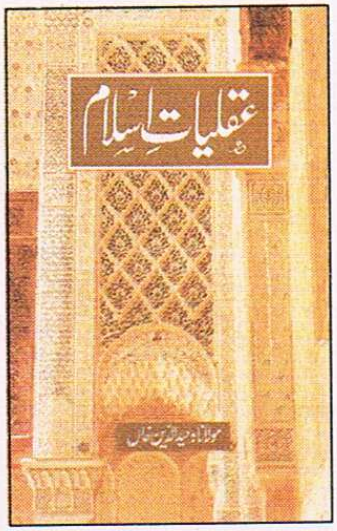
عقلیاتِ اسلام
مولانا وحید الدین خاں

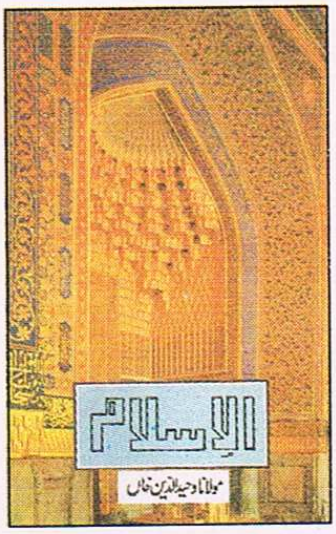
الاسلام
مولانا وحید الدین خاں

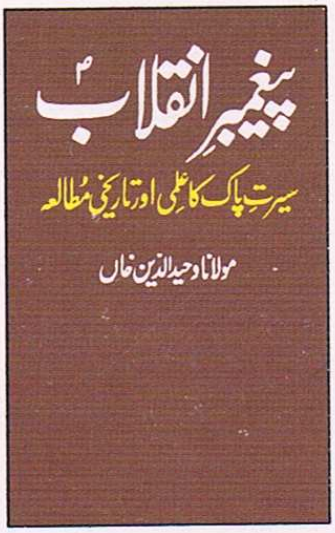
پیغمبرِ انقلاب
سیرتِ پاک کا علمی اور تاریخی مطالعہ
مولانا وحید الدین خاں

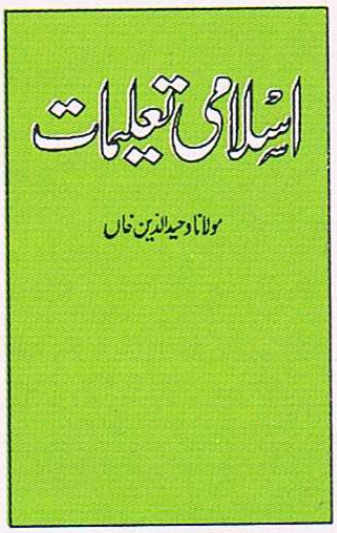
اسلامی تعلیمات
مولانا وحید الدین خاں

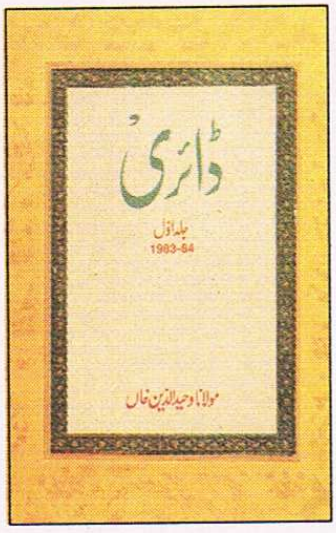
ڈائری
جلد اول
1993-94
مولانا وحید الدین خاں

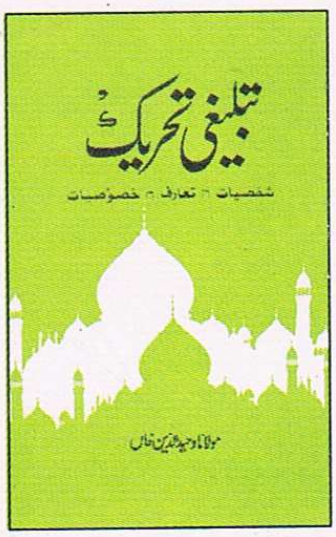
تبلیغی تحریک
شخصیات - تعارف - خصوصیات
مولانا وحید الدین خاں

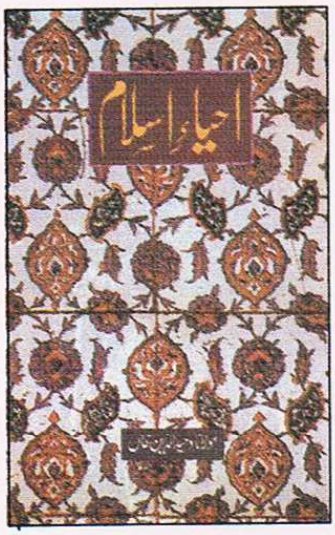
احیاءِ اسلام
مولانا وحید الدین خاں

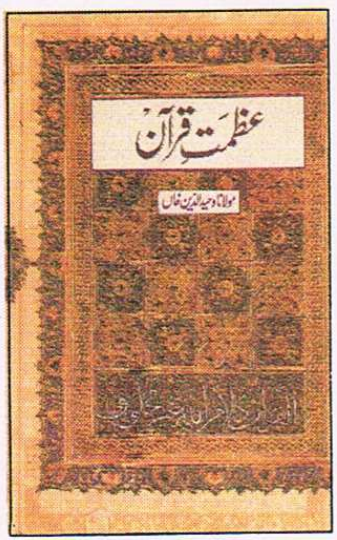
عظمتِ قرآن
مولانا وحید الدین خاں

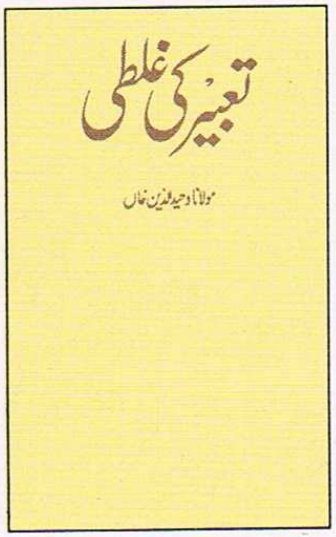
تعبیر کی غلطی
مولانا وحید الدین خاں

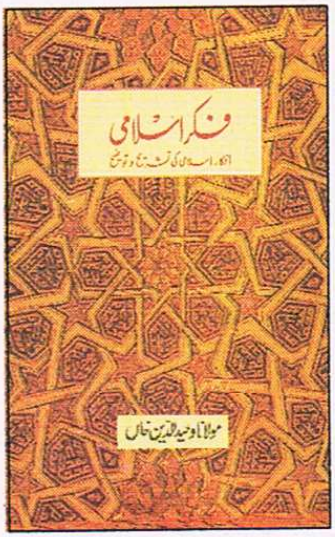
فکر اسلامی
مولانا وحید الدین خاں

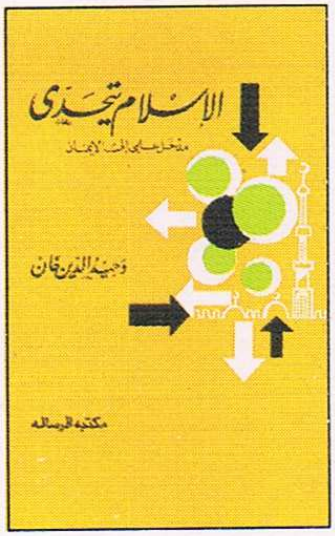
الاسلام تجدیدی
وحید الدین خان
مکتبہ الرسالہ

جون ۱۹۹۷ شمارہ ۲۴۷

ایّھا الاِنسَانُ

قرآن کا پیغام انسانیت کے نام

مولانا وحید الدّین خاں

Al-Risāla
1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110013
Tel. 4611128, 4611131 Fax 91-11-4697333
e-mail: risala.islamic.@axcess.net.in.

فہرست

اصل کوتاہی	۵	انسانی امتیاز	۲۸
کائنات کی گواہی	۶	خدائی نگرانی	۲۹
عقل والے	۷	مقصد حیات	۳۰
قیامت میں	۸	پیغمبرانہ رہنمائی	۳۱
انسان کی جانچ	۹	ٹھیک تول	۳۲
روحانی لباس	۱۰	ہار جیت کا دن	۳۳
آنے والا وقت	۱۱	تخلیقی منصوبہ	۳۴
اصلاحی رویہ	۱۲	اندرونی شہادت	۳۵
خدائی آواز	۱۳	دو راستے	۳۶
خدا کی نعمتیں	۱۴	نظام خداوندی	۳۷
خدا کا حکم	۱۵	نعمت طعام	۳۸
رات اور دن	۱۶	اَیُّھَا الانسان	۳۹
تجربہ کی زبان سے	۱۷	اے انسان	۴۰
ذہنی خول	۱۸	مہلت کا لمحہ	۴۱
امتحان	۱۹	پرچۂ امتحان	۴۲
کائناتی نشانیاں	۲۰	دو بلندیاں	۴۳
وصیت انسان	۲۱	احسن تقویم	۴۴
اختیارانہ اطاعت	۲۲	کتاب ہدایت	۴۵
تزئین عمل	۲۳	ایک بھونچال	۴۶
عہد فطرت	۲۴	موت کے بعد	۴۷
علم اور بے علمی	۲۵	باوزن عمل	۴۸
ایک نصیحت	۲۶	مادی دوڑ	۴۹
اچھا عمل	۲۷	زمانہ گواہ ہے	۵۰

Translated

Typed Revised

Sep' 58

اصل کوتاہی

قرآن کی سورہ نمبر ۲ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ اے لوگو، اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تاکہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔ وہ ذات جس نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت بنایا۔ اور اتارا آسمان سے پانی اور اس سے پیدا کیے پھل، تمہاری غذا کے لیے۔ پس تم کسی کو اللہ کے برابر نہ ٹھہراؤ حالانکہ تم جانتے ہو (البقرہ ۲۲-۲۱)

انسان اور انسان کے سوا جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کا پیدا کرنے والا صرف خدا ہے۔ اس نے پوری کائنات کو نہایت حکمت کے ساتھ قائم کیا ہے۔ وہ ہر آن ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔ اس لیے انسان کے لیے صحیح رویہ صرف یہ ہے کہ وہ خدا کو بغیر کسی شرکت کے خالق، مالک اور رازق تسلیم کرلے، وہ اس کو اپنا سب کچھ بنالے۔

مگر خدا چونکہ نظر نہیں آتا اس لیے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی نظر آنے والی چیز کو اہم سمجھ کر اس کو خدائی مقام پر بٹھا لیتا ہے۔ وہ ایک مخلوق کو جزئی یا کلی طور پر خالق کے برابر ٹھہرا لیتا ہے۔ کبھی اس کو خدا کا نام دے کر اور کبھی خدا کا نام دیے بغیر۔

یہی انسان کی اصل کوتاہی ہے۔ پیغمبر کی دعوت یہ ہوتی ہے کہ آدمی صرف ایک خدا کو بڑائی کا مقام دے۔ اس کے علاوہ جس جس کو اس نے خدائی عظمت کے مقام پر بٹھا رکھا ہے اس کو عظمت کے مقام سے اتار دے۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جو اپنے آپ پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اس کو ہر لمحہ مختلف چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جس کے سہارے وہ زمین پر اپنا وجود قائم رکھ سکے۔ انسان کو ایک ایسی زمین چاہیے جس کے اندر کشش ہو تاکہ وہ اس کے اوپر ٹھہر سکے۔ انسان کو ایک ایسی فضا چاہیے جس میں ہر لمحہ اس کے لیے آکسیجن کی سپلائی کا انتظام ہو۔ اس کو ایک ایسا سورج چاہیے جو مسلسل اس کو روشنی اور حرارت پہنچا رہا ہو۔ اس کی یہ ضرورت ہے کہ اس کی دنیا میں پانی کی نہایت وافر مقدار موجود ہو کیوں کہ پانی کے بغیر کسی قسم کی زندگی ممکن نہیں۔ اس کو مختلف قسم کی غذا درکار ہے جو اس کو مسلسل طاقت دیتی رہے۔

اس طرح کی بے شمار چیزیں خدا نے دنیا میں بھرپور مقداریں فراہم کر دی ہیں۔ یہی اس بات کے لیے کافی ہے کہ انسان صرف ایک خدا کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

کائنات کی گواہی

قرآن کی سورہ نمبر ۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ بے شک آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اور رات اور دن کے آنے اور جانے میں، اور ان کشتیوں میں جو انسانوں کے کام آنے والی چیزیں لے کر سمندر میں چلتی ہیں۔ اور اس پانی میں جس کو اللہ نے آسمان سے اتارا، پھر اس سے مُردہ زمین کو زندگی بخشی۔ اور اس سے زمین میں سب قسم کے جانور پھیلا دیے۔ اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان حکم کے تابع ہیں۔ ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (البقرہ ۱۶۳-۱۶۴)

ہمارے سامنے پھیلی ہوئی کائنات اللہ کا ایک عظیم الشان تعارف ہے۔ زمین و آسمان کی صورت میں ایک اتھاہ کارخانہ کا موجود ہونا ظاہر کرتا ہے کہ ضرور اس کا کوئی بنانے والا ہے۔ طرح طرح کے ظاہری اختلاف اور تضاد کے باوجود تمام چیزوں کا حد درجہ ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنا ثابت کرتا ہے کہ اس کا خالق و مالک صرف ایک ہے۔ کائنات کی چیزوں میں نفع بخشی کی صلاحیت ہونا گویا اس بات کا اعلان ہے کہ اس کی منصوبہ بندی کامل شعور کے تحت بالارادہ کی گئی ہے۔

بے جان چیزوں میں قدرتی عمل سے جان اور تازگی کا آجانا بتاتا ہے کہ کائنات میں موت محض عارضی ہے۔ یہاں ہر موت کے بعد لازماً دوسری زندگی آتی ہے۔ ایک ہی پانی اور ایک ہی خوراک سے قسم قسم کے جانداروں کا اَن گنت تعداد میں پایا جانا اللہ کی بے حساب قدرت کا پتا دیتا ہے۔ ہوا کا مکمل طور پر انسان کو اپنے گھیرے میں لیے رہنا بتاتا ہے کہ انسان پوری طرح اپنے خالق کے قبضے میں ہے۔ کائنات کی تمام چیزوں کا انسانی ضرورت کے تحت سدھا ہوا ہونا ثابت کرتا ہے کہ انسان کا خالق ایک بے حد مہربان ہستی ہے۔ وہ اس کی ضروریات کا اہتمام اس وقت سے کر رہا ہوتا ہے جب کہ اس کا وجود بھی نہیں ہوتا۔

انسان کا خدا ایک ہی خدا ہے۔ وہی اس قابل ہے کہ وہ انسان کی توجہات کا مرکز بنے۔ ہمارا وجود اور وہ سب کچھ جو ہم کو زمین پر حاصل ہے اس لیے ہے کہ ہمارا یہ خدا رحمتوں کا خزانہ ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس کو حقیقی معنوں میں اپنا معبود بنائے اور اپنی تمام امیدوں اور تمناؤں کو ہمیشہ کے لیے اسی کے ساتھ وابستہ کر دے۔

عقل والے

قرآن کی سورہ نمبر۳ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، اور رات دن کے باری باری آنے میں عقل والوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر خدا کو یاد کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ وہ کہہ اٹھتے ہیں اے ہمارے رب تو نے یہ سب بے مقصد نہیں بنایا۔ تو پاک ہے۔ پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب تو نے جس کو آگ میں ڈالا اس کو تو نے واقعی رسوا کر دیا۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

کائنات اپنے پورے وجود کے ساتھ ایک خاموش اعلان ہے۔ آدمی جب اپنے کان اور آنکھ سے مصنوعی پردوں کو ہٹاتا ہے۔ تو وہ اس خاموش اعلان کو سننے لگتا ہے۔ اس کو ناممکن نظر آتا ہے کہ ایک ایسی کائنات جس کے ستارے اور سیارے کھربوں سال تک بھی ختم نہیں ہوتے وہاں انسان اپنی تمام تمناؤں کو لیے ہوئے محدود مدت میں ختم ہو جائے۔ ایک ایسی دنیا جہاں درختوں کا حسن اور پھولوں کی لطافت ہے۔ جہاں ہوا، اور پانی اور سورج جیسی بے شمار بامعنیٰ چیزوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ وہاں انسان کے لیے غم کے سوا کوئی انجام نہ ہو۔ پھر یہ بھی اس کو ناممکن نظر آتا ہے کہ ایک ایسی دنیا جہاں یہ انتہاہ امکان رکھا گیا ہے کہ یہاں ایک چھوٹا سا بیج زمین میں ڈالا جائے تو اس کے اندر سے ہرے بھرے درخت کی ایک پوری کائنات نکل آئے وہاں آدمی نیکی کی زندگی اختیار کر کے بھی اس کا کوئی پھل نہ پاتا ہو۔ ایک ایسی دنیا جہاں ہر روز تاریک رات کے بعد روشن دن آتا ہے، وہاں صدیاں گزر جائیں اور عدل و انصاف کا اجالا اپنی چمک نہ دکھائے۔ ایک ایسی دنیا جس کی گود میں زلزلے اور طوفان سو رہے ہیں، وہاں انسان ظلم پر ظلم کرتا رہے، مگر کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو۔

جو لوگ گہرائیوں میں اتر کر سوچتے ہیں۔ ان کے لیے ناقابل یقین ہو جاتا ہے کہ ایک بامعنیٰ کائنات بے معنیٰ انجام پر ختم ہو جائے۔ وہ حق کے داعی کو اس یقین کے ساتھ مان لیتے ہیں کہ اس کا پیغام نطق کی زبان میں عین اس بات کا اعلان ہے جو خاموش زبان میں پوری کائنات میں نشر ہو رہا ہے۔

قیامت میں

قرآن کی سورہ نمبر۶ میں ارشاد ہوا ہے ——— اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے جو تم کو میری آیتیں سناتے اور تم کو اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے تھے۔ وہ کہیں گے ہم خود اپنے خلاف گواہ ہیں۔ اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکہ میں رکھا۔ اور وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم منکر تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ تمہارا رب بستیوں کو ان کے ظلم پر اس حال میں ہلاک کرنے والا نہیں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں (الانعام ۱۳۲ — ۱۳۱)

شیطان جب آدمی کو خوشنما ترغیبات کے ذریعہ اپنی طرف لے جاتا ہے تو وہ اپنے اس چیلنج کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہے جو اس نے آغاز تخلیق میں خدا کو دیا تھا کہ میں تیری مخلوق کے بڑے حصہ کو اپنا ہمنوا بنالوں گا (بنی اسرائیل ۶۱) اسی طرح جو لوگ اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کرتے ہیں، ان کے سامنے بھی واضح مفادات ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ جنوں کے نام پر اپنے سحر کے کاروبار کو فروغ دیتے ہیں۔ یا اپنی شاعری اور کہانت کا رشتہ کسی جنّی استاد سے جوڑ کر عوام کے اوپر اپنی برتری قائم کرتے ہیں۔

قیامت میں جب حقیقتوں سے پردہ اٹھایا جائے گا تو یہ بات کھل جائے گی کہ جو لوگ بے راہ ہوئے یا جنھوں نے دوسروں کو بے راہ کیا انھوں نے کسی غلط فہمی کی بنا پر ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ حق کو نظر انداز کرنا تھا نہ کہ حق سے بے خبر رہنا۔ وہ دنیوی رونقوں سے اوپر نہ اٹھ سکے۔ وہ وقتی فائدوں کو قربان نہ کر سکے۔ ورنہ خدا نے اپنے خاص بندوں کے ذریعہ جو ہدایت کھولی تھی وہ اتنی واضح تھی کہ کوئی شخص حقیقت حال سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر ان کی دنیا پرستی ان کی آنکھوں کا پردہ بن گئی۔ جاننے کے باوجود انھوں نے نہ جانا۔ سننے کے باوجود انھوں نے نہ سنا۔

آخرت میں وہ مصنوعی سہارے ان سے چھن جائیں گے جن کے بل پر وہ حقیقت سے بے پروا بے ہوئے تھے۔ اس وقت ان کو نظر آجائے گا کہ کس طرح ایسا ہوا کہ حق ان کے سامنے آیا مگر انھوں نے جھوٹے الفاظ بول کر اس کو رد کر دیا۔ کس طرح ان کی غلطی ان پر واضح کی گئی۔ مگر خوب صورت تاویل کر کے انھوں نے سمجھا کہ اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے میں وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔

خدا کے یہاں بھول کی معافی ہے مگر خدا کے یہاں سرکشی کی کوئی معافی نہیں۔

انسان کی جانچ

قرآن کی سورہ نمبر ۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ (اے لوگو) ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ خدا نے کہا کہ تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا۔ ابلیس نے کہا کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھ کو آگ سے بنایا ہے اور آدم کو مٹی سے۔ خدا نے کہا کہ تو اُتر یہاں سے۔ تجھے یہ حق نہیں کہ تو اس میں گھمنڈ کرے۔ پس نکل جا، یقیناً تو ذلیل ہے۔ ابلیس نے کہا کہ اس دن تک کے لیے تو مجھ کو مہلت دے جب کہ سب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ خدا نے کہا کہ تجھ کو مہلت دی گئی۔ ابلیس نے کہا کہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں بھی لوگوں کے لیے تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا، پھر ان پر آؤں گا، ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے۔ اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ خدا نے کہا نکل یہاں سے ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا (الاعراف ۱۱ — ۱۸)

امتحان کی اس دنیا میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے اوپر اٹھ جاتا ہے۔ کبھی کوئی شخص دولت و عزت میں دوسرے سے زیادہ حصہ پالیتا ہے۔ کبھی دو آدمیوں کے درمیان ایسا معاملہ پڑتا ہے کہ ایک شخص کے لیے دوسرے کو اس کا جائز حق دینا اپنے کو نیچے گرانا معلوم ہوتا ہے۔ کبھی کسی شخص کی زبان سے خدا ایک سچائی کا اعلان کراتا ہے اور وہ ان لوگوں کو اپنے سے برتر دکھائی دینے لگتا ہے جو اس سچائی تک پہنچنے میں ناکام رہے تھے۔ ایسے مواقع پر شیطان آدمی کے اندر حسد اور گھمنڈ کی نفسیات جگا دیتا ہے۔ "میں بہتر ہوں" کے جذبے سے مغلوب ہو کر وہ اپنے بھائی کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ یہی خدا کی نظر میں شیطان کے راستے پر چلنا ہے۔ جس شخص نے ایسے مواقع پر حسد اور گھمنڈ کا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے گویا کہ شیطان کی پیروی کی۔ اور جس نے ایسے مواقع پر شیطان کے پیدا کیے ہوئے جذبات کو اپنے اندر کچل ڈالا۔ اس نے صراطِ مستقیم کو پکڑ لیا جو اسے جنت تک پہنچا دے۔

روحانی لباس

قرآن کی سورہ نمبر ۷ میں ارشاد ہوا ہے —— اے بنی آدم، ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے بدن کے قابل شرم حصوں کو ڈھانکے اور زینت بھی۔ اور تقویٰ کا لباس اس سے بھی بہتر ہے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ غور کریں۔ اے آدم کی اولاد، شیطان تم کو بہکا نہ دے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوا دیا، اس نے ان کے لباس اتروائے تاکہ ان کو ان کے سامنے بے پردہ کر دے۔ وہ اور اس کے ساتھی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انھیں نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے (الاعراف ۲۷ - ۲۶)

ظاہری لباس کی طرح انسان کو ایک اندرونی لباس بھی درکار ہے۔ یہ تقویٰ کا لباس ہے۔ تقویٰ کا لباس کیا ہے۔ یہ ہے —— اللہ کا خوف، حق کا اعتراف، اپنے لیے اور دوسروں کے لیے صرف ایک معیار رکھنا، اپنے کو بندہ سمجھنا۔ تواضع کو اپنا شعار بنانا، دنیا میں گم ہونے کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ رہنا۔ آدمی جب ان چیزوں کو اپنائے تو گویا کہ وہ اپنے اندرونی وجود کو لباس پہناتا ہے اور اگر وہ اس کے خلاف رویہ اختیار کرے تو وہ اپنے اندرون کو ننگا کر دیتا ہے۔ ظاہری جسم کو کپڑے کا بنا ہوا لباس ڈھانکتا ہے اور باطنی جسم کو تقویٰ کا لباس۔

شیطان آدمی کو بہکاتا ہے۔ وہ خدا کے ممنوعہ درخت کو ہر قسم کے خیر کا سرچشمہ بتاتا ہے۔ وہ ایسے معصوم راستوں سے اس کی طرف آتا ہے کہ آدمی کا گمان بھی نہیں جاتا کہ ادھر سے اس کی طرف گمراہی آرہی ہوگی۔ شیطان آدمی کے نازک مقامات سے اس پر حملہ کرتا ہے۔ کبھی ایک بے حقیقت نظریہ کو خوبصورت الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ کبھی ایک جزئی حقیقت کو کلی حقیقت کے روپ میں اس کے سامنے لاتا ہے۔ کبھی معمولی چیزوں میں فوائد کا خزانہ بتا کر سارے لوگوں کو اس کی طرف دوڑا دیتا ہے۔ کبھی ایک بے فائدہ حرکت میں ترقی کا راز بتاتا ہے۔ کبھی ایک تخریبی عمل کو تعمیر کے روپ میں پیش کرتا ہے۔

شیطان ان لوگوں پر کامیاب ہوتا ہے جو خدا کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے۔ جو دلائل کی زبان میں بات کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جنھیں اپنے ذاتی رجحانات کے مقابلہ میں حق کے تقاضے کو ترجیح دینا وارا نہیں ہوتا۔ جن کو ایسی سچائی، سچائی نظر نہیں آتی جس میں ان کے فائدوں اور مصلحتوں کی رعایت شامل نہ ہو۔

آنے والا وقت

قرآن کی سورہ نمبر ۷ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور ہر قوم کے لیے ایک مقررہ مدت ہے۔ پھر جب ان کی مدت آجائے گی تو وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ اے بنی آدم، اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں جو تم کو میری آیات سنائیں تو جو شخص ڈرا اور جس نے اصلاح کر لی ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔ اور جو لوگ میری آیات کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں وہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی نشانیوں کو جھٹلائے۔ ان کے نصیب کا جو حصہ لکھا ہوا ہے وہ انھیں مل کر رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے ان کی جان لینے کے لیے ان کے پاس پہنچیں گے تو ان سے پوچھیں گے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے تھے کہاں ہیں۔ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے کھوئے گئے۔ اور وہ اپنے اوپر اقرار کریں گے کہ بیشک وہ انکار کرنے والے تھے (الاعراف ۳۷-۳۴)

انسان کے لیے جنت یا دوزخ کا فیصلہ اس بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ اس کے سامنے جب حق آیا تو اس نے اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ جب بھی کوئی حق ایسے دلائل کے ساتھ سامنے آجائے جس کی صداقت پر آدمی کی عقل گواہی دے رہی ہو تو اس کے اوپر گویا خدا کی حجت پوری ہو گئی۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اس حق کو ماننے سے انکار کرتا ہے تو وہ یقیناً کبر کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا رکھنے کی نفسیات اس کے لیے رکاوٹ بن گئی کہ وہ حق کو بڑا بنا کر اس کے مقابلہ میں اپنے کو چھوٹا بنانے پر راضی کرلے۔ ایسے آدمی کے لیے خدا کے یہاں جہنم کے سوا کوئی انجام نہیں۔

انسان جب بھی حق کا انکار کرتا ہے تو وہ کسی اعتماد کے اوپر کرتا ہے۔ کسی کو دولت و اقتدار کا اعتماد ہوتا ہے۔ کوئی اپنی عزت و مقبولیت پر بھروسہ کیے ہوئے ہوتا ہے۔ مگر یہ انسان کی بہت بڑی بھول ہے۔ وہ آزمائش کی چیزوں کو اعتماد کی چیز سمجھے ہوئے ہے۔ قیامت کے دن جب یہ بے بنیاد سہارے اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو اس وقت اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ وہ محض سرکشی کی بنا پر حق کا انکار کرتا رہا۔ اگرچہ اپنے انکار کو جائز ثابت کرنے کے لیے وہ بہت سے اصولی الفاظ بولتا تھا۔

اصلاحی رویہ

قرآن کی سورہ نمبر ۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ تم لوگ زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد برپا نہ کرو (الاعراف ۵۶)

زمین کی اصلاح سے مراد اللہ کا وہ نظام ہے جو انسان کے سوا بقیہ دنیا میں قائم ہے۔ انسان کو خدا کے اس قائم کردہ نظام سے مطابقت کرکے رہنا ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے خلاف روش اختیار کرے۔

زمین کو خدا نے خاموش عمل کی دنیا بنایا ہے۔ اس لیے یہاں شور وغل نہ مچاؤ۔ یہاں خدا نے صاف ہوا میں سانس لینے کا انتظام کیا ہے تم اپنی کثافت سے خدا کی ہوا کو خراب نہ کرو۔ نباتات اور حیوانات اپنے اپنے دائرہ میں کام کرتے ہیں، تم بھی اپنے دائرہ میں کام کرو، دوسرے کے دائرہ میں مداخلت نہ کرو۔ یہاں سارا کام حقیقت پسندانہ منصوبہ بندی کے تحت ہو رہا ہے، تم بھی ایسا ہی کرو اور جذباتیت یا جلد بازی کا رویہ نہ اختیار کرو۔

اس دنیا کی تمام چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی کرکے اپنا اپنا کام کر رہی ہیں تم بھی دوسروں سے ہم آہنگی کرکے زمین پر زندگی گزارو۔ اس دنیا میں ہر چیز دوسرے کے لیے نفع بخش بنی ہوئی ہے۔ تم بھی اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے نفع بخشی کی حد تک خیر خواہ بن جاؤ۔

زمین کی اصلاح خدا کی طرف سے ہو چکی ہے۔ انسان کو اس کی اصلاح نہیں کرنا ہے۔ انسان کو صرف اس اصلاحی نقشہ کی پیروی کرنا ہے۔ اصلاح شدہ زمین کی طرح اس کو بھی اپنے معاشرہ کو اصلاح یافتہ بنا لینا ہے۔

خدا کی زمین پر انسان کے لیے دو ممکن رویے ہیں ـــ اصلاحی رویہ اور مفسدانہ رویہ۔ اصلاحی رویہ یہ ہے کہ انسان شعوری طور پر اس درست نظام کی پیروی کرے جس کی پیروی بقیہ کائنات غیر شعوری طور پر کر رہی ہے۔ اس کے مقابلے میں مفسدانہ رویہ یہ ہے کہ آدمی کائناتی نظام سے منحرف ہو جائے۔ وہ کائنات میں خدا کے قائم کردہ نظام اصلاح کو چھوڑ کر کوئی خود ساختہ رویہ اختیار کرلے۔ خدا کی اصلاح یافتہ زمین انسانی رہائش کے لیے بہترین جگہ بھی ہے اور اسی کے ساتھ انسانی عمل کے لیے بہترین نمونہ بھی۔

خدائی آواز

قرآن کی سورہ نمبر ۷ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو گواہ ٹھہرایا خود ان کے اوپر۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انھوں نے کہا ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں۔ یہ اس لیے ہوا کہ کہیں تم قیامت کے دن کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔ یا کہو کہ ہمارے باپ دادا نے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ تو کیا تو ہم کو اس کام پر ہلاک کرے گا جو غلط کار لوگوں نے کیا، اور اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ رجوع کریں (الاعراف ۱۷۲-۱۷۴)

یہ اس معاملہ کا ذکر ہے جب کہ انسان کی فطرت میں خالق و مالک کا شعور اس طرح داخل کر دیا گیا کہ وہ اس سے جدا نہ ہو سکے۔ موجودہ زمانے میں ایک اعتبار سے روس اور دوسرے اعتبار سے ترکی کا تجربہ بتاتا ہے کہ مکمل طور پر مخالف مذہب ماحول میں بھی انسان کی فطرت نہیں بدلتی۔

جانوروں میں جو چیز جبلّت کی صورت میں ہے وہی چیز انسان کے اندر فطرت کی صورت میں ہے۔ لیکن جانور مجبور ہیں، جب کہ انسان مجبور نہیں۔ جانور کے برعکس انسان کا حال یہ ہے کہ شعور فطرت کی حد تک پابند ہونے کے باوجود عمل کے معاملہ میں وہ پوری طرح آزاد ہے۔ جب بھی کوئی بات سامنے آتی ہے تو اس کی عقل اور اس کا ضمیر اندر سے اشارہ کرتے ہیں کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ مگر اس کے باوجود انسان کو اختیار ہے کہ وہ چاہے اپنی اندرونی آواز کی پیروی کرے چاہے اس کو نظر انداز کر کے من مانی کارروائی کرنے لگے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کا امتحان ہو رہا ہے اور اسی پر جنت اور جہنم کا فیصلہ ہونا ہے۔ جو شخص خدائی آواز پر کان لگائے اور وہی کرے جو خدا فطرت کی خاموش زبان میں اس سے کہہ رہا ہے وہ امتحان میں پورا اترا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے

فطرت کی یہ آواز ہر آدمی کے اوپر خدا کی دلیل ہے۔ اب کسی کے پاس نہ تو بے خبری کا عذر ہے اور نہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ماضی سے جو ہوتا چلا آرہا ہے وہی ہم بھی کرنے لگے۔ جب انسان پیدائش ہی سے خدا کا شعور لے کر آتا ہے اور ماحول کے علی الرغم اس کو ہمیشہ باقی رکھتا ہے تو اب کسی شخص کے پاس بے راہ ہونے کا کیا عذر ہے۔

خدا کی نعمتیں

قرآن کی سورہ نمبر ۱۴ میں ارشاد ہوا ہے —— اللہ وہ ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے مختلف پھل نکالے تمہاری روزی کے لیے۔ اور کشتی کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ سمندر میں اسی کے حکم سے چلے۔ اور اس نے دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا۔ اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ برابر چلے جا رہے ہیں۔ اور اس نے رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اس نے تم کو ہر چیز میں سے دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو تم گن نہیں سکتے۔ بیشک انسان بہت بے انصاف اور بڑا ناشکرا ہے (ابراہیم ۳۴-۳۲)

موجودہ دنیا انتہائی حیرت ناک حد تک خدا کی گواہی دے رہی ہے۔ وسیع خلا میں ستاروں اور سیاروں کی گردش، پانی کے ذریعہ زمین پر زندگی اور رزق کی فراہمی، خشکی اور تری اور فضا پر انسان کو یہ قدرت ہونا کہ وہ ان میں اپنی سواریاں دوڑائے، دریاؤں اور پہاڑوں کے ذریعہ زمین کا انسان کے موافق ہو جانا۔ سورج اور چاند کے ذریعہ موسموں کا اور رات دن کا انتظام، سب کچھ اس سے زیادہ عظیم ہے کہ ان کو لفظوں میں بیان کیا جا سکے۔ انسان اور کائنات میں اتنی کامل مطابقت ہے کہ انسان کی ہر قابل قیاس یا ناقابل قیاس ضرورت پیشگی طور پر یہاں بافراط موجود ہے۔

یہ تمام چیزیں اتنی زیادہ عجیب ہیں کہ آدمی کو ہلا دیں اور اس کو عبدیت کے جذبہ سے سرشار کر دیں۔ اس کے باوجود ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ کائنات کو دیکھ کر آدمی کے اندر استعجاب کی کیفیت پیدا ہو۔ خالقِ کائنات کے تصور سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی پیدا ہوتے ہی کائنات کو دیکھتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے وہ اس کو ایک عام چیز معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس میں اسے کوئی انوکھا پن نظر نہیں آتا۔

مزید یہ کہ اس دنیا میں آدمی کو جب کوئی چیز ملتی ہے تو وہ بظاہر اس کو اسباب کے تحت ملتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس بنا پر وہ سمجھ لیتا ہے کہ جو چیز اس کو ملی ہے وہ اس کی اپنی محنت اور صلاحیت کی بنا پر ملی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی کے اندر دینے والے خدا کے لیے شکر کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔

انسان کی یہی وہ غفلت ہے جس کو یہاں بے انصافی اور ناشکر گزاری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خدا کا حکم

قرآن کی سورہ نمبر ۱۶ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ (اے لوگو) بے شک خدا حکم دیتا ہے عدل کا اور احسان کا۔ اور قرابت داروں کو دینے کا۔ اور خدا روکتا ہے فحشاء سے اور منکر سے اور سرکشی سے۔ خدا تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد دہانی حاصل کرو۔ اور تم خدا کے عہد کو پورا کرو۔ جبکہ تم آپس میں عہد کر لو۔ اور قسموں کو پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔ اور تم خدا کو ضامن بھی بنا چکے ہو۔ بے شک خدا جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو (النحل ۹۰-۹۱)

خدا کے نزدیک پہلی چیز جس کا انسان کو اہتمام کرنا چاہیے وہ عدل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا حق جو دوسرے پر آتا ہے وہ اس کو پوری طرح ادا کرے۔ خواہ صاحبِ حق کمزور ہو یا طاقتور اور خواہ وہ پسندیدہ شخص ہو یا ناپسندیدہ۔ حقوق کی ادائیگی میں صرف حق کا لحاظ کیا جائے نہ کہ دوسرے اعتبارات کا۔

دوسری چیز احسان ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں عالی ظرفی کا طریقہ اپنایا جائے انصاف کے ساتھ مروّت کو جمع کیا جائے۔ قانونی دائرہ سے آگے بڑھ کر لوگوں کے ساتھ فیاضی اور ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جائے۔ آدمی کے اندر یہ حوصلہ ہو کہ حتی الامکان وہ اپنے لیے اپنے حق سے کم پر راضی ہو جائے اور دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دینے کی کوشش کرے۔

تیسری چیز ایتاء ذی القربیٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے علاوہ اپنے رشتہ داروں کی ضرورت کے بارے میں بھی حساس ہو۔ ہر صاحبِ استعداد شخص اپنے مال پر صرف اپنا اور اپنے گھر والوں ہی کا حق نہ سمجھے۔ بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کو بھی وہ اپنی ذمہ داری میں شامل کرے۔

اس کے بعد آیت میں تین چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے ـــــ فحشاء سے مراد کھلی ہوئی اخلاقی برائیاں ہیں۔ یعنی وہ برائیاں جن کا برا ہونا خود اپنے ضمیر کے تحت ہر آدمی کو معلوم ہوتا ہے ـــــ منکر معروف کا الٹا ہے۔ معروف ان اچھی باتوں کو کہتے ہیں جن کو ہر معاشرے میں اچھا سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس منکر سے مراد وہ ناپسندیدہ کام ہیں جو عام اخلاقی معیار کے خلاف ہیں ـــــ "بغی" کے معنی مقرر کی ہوئی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

رات اور دن

قرآن کی سورہ نمبر ۱۷ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور انسان برائی مانگتا ہے جس طرح اس کو بھلائی مانگنا چاہیے۔ اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن کر دیا۔ تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اور ہم نے ہر چیز کو خوب کھول کر بیان کیا ہے (بنی اسرائیل ۱۲-۱۱)

رات اور دن کا نظام بتاتا ہے کہ خدا کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تاریکی ہو اور اس کے بعد روشنی آئے۔ خدائی نقشہ میں دونوں یکساں طور پر ضروری ہیں۔ جس طرح روشنی میں فائدے ہیں اسی طرح تاریکی میں بھی فائدے ہیں۔ دنیا میں اگر رات اور دن کا فرق نہ ہو تو آدمی اپنے اوقات کی تقسیم کس طرح کرے۔ وہ اپنے کام اور آرام کا نظام کس طرح بنائے۔

آدمی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ وہ تاریکی سے گھبرائے اور صرف "روشنی" کا طالب بن جائے۔ کیوں کہ خدا کی دنیا میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ جو آدمی ایسا چاہتا ہو اس کو خدا کی دنیا چھوڑ کر اپنے لیے دوسری دنیا تلاش کرنی پڑے گی۔

مگر یہی انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ وہ ہمیشہ یہ چاہتا ہے کہ اس کو تاریکی کا مرحلہ پیش نہ آئے اور فوراً ہی اس کو روشنی حاصل ہو جائے۔ اسی کمزوری کا نتیجہ وہ چیز ہے جس کو عجلت کہا جاتا ہے۔ عجلت دراصل خداوندی منصوبہ پر راضی نہ ہونے کا دوسرا نام ہے۔ اور خداوندی منصوبہ پر راضی نہ ہونا ہی تمام انسانی بربادیوں کا اصل سبب ہے۔

خدا چاہتا ہے کہ انسان دنیا کی فوری لذتوں پر صبر کرے تاکہ وہ آخرت کی طرف اپنے سفر کو جاری رکھ سکے، مگر انسان اپنی عجلت کی وجہ سے دنیا کی وقتی لذتوں پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ وہ آگے کی طرف اپنا سفر طے نہیں کر پاتا۔ آدمی کی عاجلہ پسندی اس کو آخرت کی نعمتوں سے محروم کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

یہی دنیا کا معاملہ بھی ہے۔ دنیا میں حقیقی کامیابی صبر سے ملتی ہے نہ کہ جلد بازی سے۔

تجربہ کی زبان سے

قرآن کی سورہ نمبر ۱۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ (اے لوگو) تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے۔ تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بے شک وہ تمہارے اوپر مہربان ہے۔ اور جب سمندر میں تم پر آفت آتی ہے تو تم ان معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے۔ پھر جب وہ تم کو خشکی کی طرف بچا لاتا ہے۔ تو تم پھر جاتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے (بنی اسرائیل ۶۷ - ۶۶)

خدا نے موجودہ دنیا کو خاص قوانین کا پابند بنا دیا ہے، اس بنا پر انسان کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ سمندر میں اور خشکی اور فضا میں اپنی سواریاں دوڑائے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ انسان اپنے حق میں اپنے خدا کی نعمتوں کو پہچانے اور اس کا شکر گزار بنے۔ مگر انسان کا حال یہ ہے کہ وہ جو کچھ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ایسا ہی ہونا ہے۔ ارادے کے تحت ہونے والے واقعے کو وہ اپنے آپ ہونے والا واقعہ فرض کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان واقعات کو دیکھ کر اس کے اندر کوئی خدائی احساس نہیں جاگتا۔

خدا کی معرفت اتنی حقیقی ہے کہ وہ انسان کی فطرت کے اندر آخری گہرائی تک اتری ہوئی ہے۔ اس کا ایک مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس پر کوئی آفت آپڑے جس کے مقابلے میں وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرے۔ مثلاً اتھاہ سمندر میں طوفان کا آنا اور جہاز کا اس کے اندر پھنس جانا۔ اس طرح کے لمحات میں انسان کے اوپر سے اس کے تمام مصنوعی پردے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ ایک خدا کو پہچان کر اسے پکارنے لگتا ہے۔

یہ وقتی تجربہ انسان کو اس لیے کرایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی پوری زندگی کو اس پر ڈھال لے۔ وہ وقتی اعتراف کو اپنا مستقل ایمان بنا لے۔ مگر انسان کا حال یہ ہے کہ طوفان میں وہ جس حقیقت کو یاد کرتا ہے طوفان سے نکلنے کے بعد وہ اس کو بھول جاتا ہے۔

خدا کی خدائی کو ماننے کا نام توحید ہے۔ اور خدا کی خدائی کو نہ ماننے کا نام شرک۔ اس اعتبار سے توحید کی اصل حقیقت اعتراف ہے اور شرک کی اصل حقیقت عدم اعتراف۔

ذہنی خول

قرآن کی سورہ نمبر ۱۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ آدمی پر جب ہم انعام کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے۔ اور پیٹھ موڑ لیتا ہے۔ اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ناامید ہو جاتا ہے۔ کہو کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ اب تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے (بنی اسرائیل ۸۴-۸۳)

ہر انسان پر یہ کیفیت گزرتی ہے کہ جب اس کو راحت اور فراوانی حاصل ہوتی ہے تو وہ برخود غلط نفسیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی بات کو ماننے کے لیے وہ اتنا کڑا بن جاتا ہے جیسے کہ وہ ایسا لوہا ہے جو جھکنا نہیں جانتا۔ مگر جب اس کے اسباب چھن جاتے ہیں اور اس کو عجز کا تجربہ ہوتا ہے تو اچانک وہ بے ہمت ہو جاتا ہے اور مایوسی سے نڈھال ہو جاتا ہے۔

موجودہ دنیا میں ہر آدمی اپنے بارہ میں اس تجربہ سے گزرتا ہے۔ مگر ایسے لوگ کم ہیں جو اس تجربہ کے درمیان اپنی حقیقت کو دریافت کر لیں۔ وہ یہ سوچیں کہ دنیا میں جب کہ انھیں آزادی حاصل ہے وہ حق کے مقابلے میں اتنی سرکشی دکھا رہے ہیں مگر اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جبکہ قیامت آئے گی۔ اور ان سے ان کا سارا اختیار چھین لے گی۔ انسان کتنا زیادہ کمزور ہے مگر وہ کتنا زیادہ اپنے کو طاقت ور سمجھتا ہے۔

شاکلہ سے مراد ذہنی سانچہ ہے۔ ہر آدمی کے حالات اور رجحانات کے تحت دھیرے دھیرے اس کا ایک خاص ذہنی سانچہ بن جاتا ہے۔ وہ اسی کے زیر اثر سوچتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اس کا نقطۂ نظر بنتا ہے۔ مگر صحیح نقطۂ نظر وہ ہے جو علمِ الٰہی کے مطابق صحیح ہو اور غلط وہ ہے جو علمِ الٰہی کے مطابق غلط ہو۔

یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا امتحان ہے۔ آدمی کو یہ کرنا ہے کہ اس کے شاکلہ نے جو اس کا ذہنی خول بنا دیا ہے۔ وہ اس خول کو توڑے تاکہ وہ چیزوں کو ویسا ہی دیکھ سکے جیسی کہ وہ ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ چیزوں کو ربانی نگاہ سے دیکھنے لگے ـــــ جو لوگ اپنے ذہنی خول میں گم ہوں، وہ بھٹکے ہوئے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے ذہنی خول سے نکل کر خدائی نقطۂ نظر کو پالیں وہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت پائی۔

امتحان

قرآن کی سورہ نمبر ۲۰ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور ہم نے آدم کو اس سے پہلے حکم دیا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کہ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا کہ اے آدم، یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم محروم ہو کر رہ جاؤ (طٰہٰ ۱۱۷-۱۱۵)

خدا کے حکم پر قائم رہنے کے لیے مضبوط ارادہ انتہائی طور پر ضروری ہے۔ آدمی اگر غیر متعلق چیزوں سے متاثر ہو جایا کرے تو وہ یقیناً خدا کے راستہ سے ہٹ جائے گا۔ خدا کے راستہ پر قائم رہنے کے لیے صرف خدا کے حکم کو جاننا کافی نہیں، بلکہ یہ عزم بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ آدمی حکم خداوندی کے خلاف باتوں سے مزاحمت کرے اور ان کو اپنے اوپر اثر انداز نہ ہونے دے۔

خدا نے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو فرشتے فوراً سجدہ میں گر گئے۔ مگر شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔ اس فرق کی وجہ کیا تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتوں نے اس معاملہ کو خدا کا معاملہ سمجھا۔ اس کے برعکس ابلیس نے اس کو انسان کا معاملہ سمجھا۔ جب معاملہ کو خدا کا معاملہ سمجھا جائے تو آدمی کے لیے ایک ہی ممکن صورت ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ مگر جب معاملہ کو انسان کا معاملہ سمجھ لیا جائے تو آدمی یہ کرے گا کہ وہ سامنے کے انسان کو دیکھے گا۔ اگر وہ اس سے طاقت ور ہے تو وہ جھک جائے گا اور اگر وہ اس سے طاقتور نہیں ہے تو وہ جھکنے سے انکار کر دے گا، خواہ حق کا واضح تقاضا یہی ہو کہ وہ اس کے آگے اپنے آپ کو جھکا دے۔

آدم اور ابلیس کی یہ کہانی ہر انسان کی زندگی میں بار بار دہرائی جا رہی ہے۔ ہر آدمی کی زندگی میں یہ صورت پیش آتی ہے کہ زندگی کی سرگرمیوں میں اس کا سابقہ کسی صاحب حق انسان سے پڑتا ہے، یہ حق خواہ لین دین کی صورت میں ہو یا ایک سچی بات کی صورت میں۔ ہر ایسے موقع پر آدمی دوبارہ اسی امتحان میں کھڑا ہو جاتا ہے جو انسان اول کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ایسے موقع پر جو آدمی حق کے آگے جھک جائے وہ گویا خدا کے آگے جھکا اور جو آدمی حق کے آگے نہ جھکے اس نے گویا شیطان کی پیروی کی۔

کائناتی نشانیاں

قرآن کی سورہ نمبر۲۲ میں ارشاد ہوا ہے۔ (اے انسان) کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے زمین کی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ اور کشتی کو بھی، وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے، مگر یہ کہ اسی کے حکم سے، بے شک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو زندگی دی۔ پھر وہ تم کو موت دیتا ہے۔ پھر وہ تم کو زندہ کرے گا۔ بے شک انسان بڑا ہی ناشکرا ہے (الحج ۶۶ - ۶۵)

زمین کی تمام چیزیں ایک خاص توازن کو مسلسل اپنے اندر قائم رکھتی ہیں۔ اگر ان کا توازن بگڑ جائے تو چیزیں مفید بننے کے بجائے ہمارے لیے سخت مضر بن جائیں۔ پانی میں دھات کا ایک ٹکڑا ڈالیں تو وہ فوراً ڈوب جائے گا۔ مگر پانی کو خدا نے ایک خاص قانون کا پابند بنا رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ لکڑی یا لوہے کو کشتی کی صورت دے دی جائے تو وہ پانی میں نہیں ڈوبے گا۔ خلا میں بے شمار کرے ہیں۔ ان کو بظاہر گر پڑنا چاہیے مگر وہ خاص قانون کے تحت نہایت صحت کے ساتھ اپنے مدار پر تھمے ہوئے ہیں۔

انسان نے اپنے آپ کو خود نہیں بنایا۔ اس کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو ایسی دنیا میں رکھا جو اس کے لیے سراپا رحمت ہے۔ مگر آزادی پاکر انسان ایسا سرکش ہو گیا کہ وہ اپنے سب سے بڑے محسن کے احسان کا اعتراف نہیں کرتا۔

کائنات خود اپنی ذات میں ایک مکمل دلیل ہے۔ وہ ان تمام حقیقتوں کا عملی مظاہرہ ہے جن کے ماننے کا مطالبہ انسان سے نظری طور پر کیا گیا ہے۔ انسان اگر کائنات کے نظام پر غور کرے، وہ اس کی خاموش آوازوں پر کان لگائے، وہ اس کی حکمتوں سے اپنے لیے نصیحت حاصل کرے تو کائنات کی کھلی ہوئی کتاب ہی میں وہ تمام خدائی حقیقتوں کو پڑھ لے گا۔ مخلوقات کے آئینے میں وہ کامل طور پر خالق کو دیکھ لے گا۔

خدا کو پانا انتہائی حد تک ممکن ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آدمی سنجیدہ مطالعے کی استعداد اپنے اندر پیدا کرے۔

وصیت انسان

قرآن کی سورہ نمبر ۳۱ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے معاملہ میں تاکید کی۔ اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا۔ اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوا۔ کہ تو میرا شکر کر اور اپنے والدین کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کی بات نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ اور تم اس شخص کے راستہ کی پیروی کرنا جس نے میری طرف رجوع کیا۔ پھر تم سب کو میرے پاس آنا ہے۔ پھر میں تم کو بتا دوں گا جو کچھ تم کرتے رہے (لقمان ۱۵-۱۴)

خدا کے بعد انسان کے اوپر سب سے زیادہ حق ماں باپ کا ہے۔ البتہ اگر ماں باپ کا حکم خدا کے حکم سے ٹکرائے تو اس وقت خدا کا حکم لینا ہے اور ماں باپ کا حکم چھوڑ دینا ہے۔ تاہم اس وقت بھی یہ ضروری ہے کہ ماں باپ کی خدمت کو بدستور جاری رکھا جائے۔

خدا کے سلسلہ میں انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کا شکر کرے۔ وہ دل کی تمام گہرائیوں کے ساتھ، خدا کی خدائی کا اعتراف کرے۔ اس کے تمام جذبات اور احساسات خدا کی نعمتوں کے اعتراف میں سرشار ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ ہر لمحہ خدا کی یاد کرنے لگے، اس کا وجود سراپا خداوند ذوالجلال کا تذکرہ بن جائے۔

ماں باپ کے سلسلہ میں انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ان کے حقوق ادا کرے۔ وہ ان کو عزت دے۔ وہ ہمیشہ ان کے مقابلہ میں نرمی کے ساتھ بولے۔ وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ وہ کامل معنوں میں ان کا خدمت گزار بن جائے۔

اگر والدین کے حکم اور خدا کے تقاضوں میں ٹکراؤ ہو تو اس وقت انسان پر لازم ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آنے والے تقاضوں کو پورا کرے۔ ایسے وقت میں انسان پر والدین کے حکم کی پیروی ضروری نہیں، تاہم اس وقت بھی والدین کے ساتھ نرمی ہی کا معاملہ کرنا ضروری ہوگا۔ اخلاقی ذمہ داری کسی بھی حال میں انسان سے ساقط نہیں ہوتی۔

اختیارانہ اطاعت

قرآن کی سورہ نمبر ۳۳ میں ارشاد ہوا ہے ——— ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا اور وہ اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو اٹھالیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے۔ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں پر توجہ فرمائے۔ اور اللہ بخشنے والا، مہربان ہے (الاحزاب ۷۳-۷۲)

انسان اور کائنات دونوں ہی خدا کی مخلوق ہیں۔ دونوں ہی سے یہ مطلوب ہے کہ وہ کامل طور پر خدا کی ماتحتی میں رہیں۔ تاہم دونوں میں ایک فرق ہے۔ کائنات مجبورانہ طور پر خدا کی ماتحتی کو قبول کیے ہوئے ہے۔ انسان سے مطلوب ہے کہ وہ اسی ماتحتی کو خود اپنے آزاد فیصلہ کے تحت اختیار کرے۔

"امانت" سے مراد یہی اختیار ہے۔ اختیار کو امانت اس لیے فرمایا کہ وہ اللہ کی ایک چیز ہے جس کو اس نے عارضی مدت کے لیے انسان کو بطور آزمائش دیا ہے۔ تاکہ انسان خود اپنے ارادہ سے خدا کا تابعدار بنے۔ امانت، دوسرے لفظوں میں، اپنے اوپر خدا کا قائم مقام بننا ہے۔ اپنے آپ پر وہ کرنا ہے جو خدا ستاروں اور سیاروں پر کر رہا ہے۔ یعنی اپنے اختیار سے اپنے آپ کو خدا کے کنٹرول میں دے دینا۔

اس کائنات میں صرف اللہ حاکم ہے اور تمام چیزیں اس کی محکوم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ وہ ایک ایسی آزاد مخلوق پیدا کرے جو کسی جبر کے بغیر خود اپنے اختیار سے وہی کرے جو خدا اس سے کروانا چاہتا ہے۔ یہ اختیاری اطاعت بڑی نازک آزمائش تھی۔ آسمان اور زمین اور پہاڑ بھی اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ تاہم انسان نے شدید اندیشہ کے باوجود اس کو قبول کر لیا۔ اب انسان موجودہ دنیا میں خدا کی ایک امانت کا امین ہے۔ اس کو اپنے اوپر وہی کرنا ہے جو خدا دوسری چیزوں پر کر رہا ہے۔ انسان کو اپنے اوپر خدا کا حکم چلانا ہے۔ انسان حالت امتحان میں ہے۔ اور موجودہ دنیا اس کے لیے وسیع امتحان گاہ۔

یہ "امانت" ایک بے حد نازک ذمہ داری ہے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے جزا و سزا کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری مخلوقات مجبور و مقہور ہیں۔ اس لیے ان کے واسطے جزا و سزا کا مسئلہ نہیں۔ انسان آزاد ہے، اس لیے وہ جزا و سزا کا مستحق بنتا ہے۔

تزئین عمل

قرآن کی سورہ نمبر ۳۵ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ اے لوگو، بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ تو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور نہ وہ بڑا دھوکہ باز تم کو اللہ کے باب میں دھوکہ دینے پائے۔ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ وہ دوزخ والوں میں سے ہو جائیں۔ جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا ان کے لیے معافی ہے اور بڑا اجر ہے۔ کیا ایسا شخص جس کو اس کا برا عمل اچھا کر کے دکھایا گیا، پھر وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا۔ پس اللہ جس کو چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ پس ان پر افسوس کر کے تم اپنے کو ہلکان نہ کرو۔ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں (فاطر ۸ - ۵)

خدا نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ زندگی کی نوعیت کے بارے میں جو خبر دی ہے آدمی فوراً اس سے دوچار نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جو دنیا کی چیزیں ہیں آدمی آج ہی ان سے دوچار ہو رہا ہے۔ موت اور زلزلہ اور حادثات گویا قیامت سے پہلے قیامت کی اطلاع ہیں۔ مگر شیطان فوراً ہی لوگوں کے ذہن کو یہ کہہ کر پھیر دیتا ہے کہ یہ سب اسباب کے تحت پیش آنے والے واقعات ہیں۔ نہ کہ خدائی مداخلت کے تحت۔ لیکن اس قسم کا ہر خیال شیطان کا فریب ہے۔ وہ دن آنا لازمی ہے جب کہ جھوٹ اور سچ میں تفریق ہو۔ جبکہ اچھے لوگوں کو ان کی اچھائی کا انعام ملے اور برے لوگوں کو ان کی برائی کی سزا دی جائے۔

خدا نے ہر آدمی کو یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ سوچے اور حق اور ناحق کے درمیان تمیز کر سکے۔ جو آدمی اپنی اس فطری صلاحیت کو استعمال کرتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے۔ اور جو شخص اس فطری صلاحیت کو استعمال نہیں کرتا وہ ہدایت نہیں پاتا۔

آدمی کے سامنے جب حق آئے تو فوراً اس کے ذہن کو جھٹکا لگتا ہے۔ اس وقت اس کے لیے دو راستے ہوتے ہیں۔ اگر وہ حق کا اعتراف کر لے تو اس کا ذہن صحیح سمت میں چل پڑتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایسا ہو کہ کوئی مصلحت یا کوئی نفسیاتی پیچیدگی اس کے سامنے آئے اور وہ اس سے متاثر ہو کر حق کا اعتراف کرنے سے رک جائے تو اس کا ذہن اپنے عدم اعتراف کو جائز ثابت کرنے کے لیے باتیں گھڑنا شروع کرتا ہے، وہ اپنے برے عمل کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

عہد فطرت

قرآن کی سورہ نمبر ۳۶ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور اے مجرمو، آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے اولاد آدم، کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور یہ کہ تم میری ہی عبادت کرنا، یہی سیدھا راستہ ہے اور اس نے تم میں سے ایک کثیر گروہ کو گمراہ کر دیا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔ یہ ہے جہنم جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ اب اپنے کفر کے بدلے میں اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے (یٰس ۶۵ - ۵۹)

موجودہ زندگی میں اچھے لوگ اور برے لوگ ایک ہی دنیا میں رہتے ہیں۔ اگلی زندگی میں دونوں کی دنیائیں الگ الگ کر دی جائیں گی۔ شیطان کے بندے شیطان کے ساتھ اور رحمٰن کے بندے رحمٰن کے ساتھ۔

کوئی آدمی شیطان کے نام پر شیطان کی پرستش نہیں کرتا۔ مگر بالواسطہ طور پر غیر اللہ کا ہر پرستار دراصل شیطان کا پرستار ہے۔ کیونکہ وہ شیطان ہی کی تزئین کے تحت ایسا کر رہا ہے۔ مثلاً فرشتوں اور قومی بزرگوں کی پرستش اس طرح شروع ہوئی کہ شیطان نے ان کے بارے میں بے اصل عقیدے لوگوں کے ذہن میں ڈالے اور لوگ ان شیطانی ترغیبات سے متاثر ہو کر ان کی پرستش کرنے لگے۔

جدید تحقیقات سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کی کھال ایک قسم کا ریکارڈ ہے جس پر آدمی کی بولی ہوئی آوازیں مرتسم ہو جاتی ہیں اور ان کو دہرایا جا سکتا ہے۔ یہ ایک نشانی ہے جو اس بات کو قابل فہم بنا رہی ہے کہ کس طرح آخرت میں آدمی کے ہاتھ اور پاؤں آدمی کے احوال سنانے لگیں گے۔

ہر انسان کی فطرت یا اس کے لاشعور میں خدا کا تصور پیدائشی طور پر موجود ہے۔ ہر انسان پیدائشی طور پر یہ مزاج رکھتا ہے کہ وہ خدا کو اپنا بڑا مان کر اس کے آگے جھک جائے۔ یہ گویا عہد فطرت ہے اور تمام انسان اس عہد فطری کے ذریعہ اپنے خدا سے بندھے ہوئے ہیں۔ انسان جب اس فطری رہنمائی کو کام میں لا کر خدا کی فرماں برداری کے راستہ پر چلتا ہے تو وہ خدا کی مقرر کی ہوئی صراط مستقیم کا مسافر بن جاتا ہے جو اس کو ابدی سعادت کی منزل تک پہنچا دے۔

علم اور بے علمی

قرآن کی سورہ نمبر ۳۹ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتا ہے۔ اس کی طرف رجوع ہو کر۔ پھر جب وہ اس کو اپنے پاس سے نعمت دے دیتا ہے تو وہ اس چیز کو بھول جاتا ہے جس کے لیے وہ پہلے پکار رہا تھا۔ اور وہ دوسروں کو خدا کا برابر ٹھہرانے لگتا ہے۔ تاکہ اس کی راہ سے گمراہ کر دے۔ کہو کہ اپنے کفر سے تھوڑے دن فائدہ اٹھا لے۔ بے شک تو آگ والوں میں سے ہے۔ بھلا جو شخص رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عاجزی کر رہا ہو۔ آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو، کہو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ نصیحت تو وہی لوگ پکڑتے ہیں جو عقل والے ہیں (الزمر ۹-۸)

ہر آدمی پر ایسے لمحات آتے ہیں جب کہ وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ جن چیزوں کو اپنا سہارا سمجھ رہا تھا۔ وہ بھی اس نازک لمحہ میں اس کے مددگار نہیں بنتے۔ اس وقت آدمی سب کچھ بھول کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس طرح مصیبت کی گھڑیوں میں ہر آدمی جان لیتا ہے کہ ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر مصیبت دور ہوتے ہی وہ دوبارہ پہلے کی طرح بن جاتا ہے۔ انسان کی مزید کوتاہی یہ ہے کہ وہ اپنی نجات کو خدا کے سوا دوسری چیزوں کی طرف منسوب کرے۔ وہ اس کو اسباب کا کرشمہ بتائے یا فرضی معبودوں کا کرشمہ۔

ایک انسان وہ ہے جس کو صرف مادی غم بے قرار کرے۔ دوسرا انسان وہ ہے جس کو خدا کی یاد بے قرار کر دیتی ہو۔ یہی دوسرا انسان دراصل خدا والا انسان ہے۔ اس کا اقرارِ خدا حالات کا پیداوار نہیں ہوتا۔ وہ اس کی شعوری دریافت ہوتا ہے۔ وہ خدا کو ایک ایسی برتر ہستی کی حیثیت سے پاتا ہے کہ اس کی امیدیں اور اس کے اندیشے سب ایک خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی بیقراریاں رات کے لمحات میں بھی اس کو بستر سے جدا کر دیتی ہیں۔ اس کی تنہائی غفلت کی تنہائی نہیں ہوتی بلکہ خدا کی یاد کی تنہائی بن جاتی ہے۔

علم والا وہ ہے جس کی نفسیات میں خدا کی یاد سے ہلچل پیدا ہوتی ہو۔ اور بے علم والا وہ ہے جس کی نفسیات کو صرف مادی حالات بیدار کریں۔ وہ مادی جھٹکوں سے جاگے اور اس کے بعد دوبارہ غفلت کی نیند سو جائے۔

ایک نصیحت

قرآن کی سورہ نمبر ۳۹ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ (اے لوگو) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس کو زمین کے چشموں میں جاری کر دیا۔ پھر وہ اس سے مختلف قسم کی کھیتیاں نکالتا ہے۔ پھر یہ کھیتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ تو تم ان کو زرد دیکھتے ہو۔ پھر وہ ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں نصیحت ہے عقل والوں کے لیے۔ کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اطاعتِ الٰہی کے لیے کھول دیا۔ پس وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے۔ تو خرابی ہے ان کے لیے جن کے دل خدا کی نصیحت کے معاملہ میں سخت ہو گئے۔ یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں (الزمر ۲۱-۲۲)

زمین پر بارش کا حیرت انگیز نظام، پھر اس سے سبزہ کا اگنا، پھر فصل کی تیاری، ان مادی واقعات میں بے شمار معنوی نصیحتیں ہیں۔ مگر ان نصیحتوں کو وہی لوگ پاتے ہیں جو باتوں کی گہرائی میں اترنے کا مزاج رکھتے ہوں۔

ایک طرف خدا نے خارجی دنیا کو اس ڈھنگ پر بنایا کہ اس کی ہر چیز حقیقتِ اعلیٰ کی نشانی بن گئی۔ دوسری طرف انسان کے اندر ایسی صلاحیتیں رکھ دیں کہ وہ ان نشانیوں کو پڑھے اور ان کو سمجھ سکے۔ اب وہ لوگ جو اپنی فطری صلاحیتوں کو زندہ رکھیں اور ان سے کام لے کر دنیا کی چیزوں پر غور کریں ان کے سینے میں معرفت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور جو لوگ اپنی فطری صلاحیتوں کو زندہ نہ رکھ سکیں وہ نصیحتوں کے ہجوم میں بھی نصیحت لینے سے محروم رہیں گے۔ وہ دیکھ کر بھی کچھ نہ دیکھیں گے اور سن کر بھی کچھ نہ سنیں گے۔

موجودہ دنیا میں ہر چیز کا معاملہ یہ ہے کہ وہ آغاز سے تکمیل کی طرف جاتی ہے مثلاً ایک بیج پودے سے شروع ہو کر مکمل درخت بنتا ہے۔ اسی طرح کھیتی کی ایک ابتدا ہے اور دوسری اس کی انتہا۔ یہی حال موجودہ دنیا میں تمام چیزوں کا ہے۔

یہ واقعہ انسان کے لیے خدائی سبق ہے۔ اس طرح خدا انسان کو بتاتا ہے کہ تم بھی آغاز سے تکمیل کی طرف جا رہے ہو۔ بچپن کے بعد جوانی اور بڑھاپا، اور پھر مر کر ایک نئی اور ابدی زندگی کی منزل میں داخل ہو جانا۔

اچھا عمل

قرآن کی سورہ نمبر ۴۶ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرے۔ اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اس کو پیٹ میں رکھا۔ اور تکلیف کے ساتھ اس کو جنا۔ اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب، مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر کیا اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو۔ اور میری اولاد میں بھی مجھ کو نیک اولاد دے۔ میں نے تیری طرف رجوع کیا اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے اچھے اعمال کو ہم قبول کریں گے اور ان کی برائیوں سے درگزر کریں گے۔ وہ اہلِ جنّت میں سے ہوں گے، سچا وعدہ جو ان سے کیا جاتا تھا (الاحقاف ۱۶-۱۵)

انسانی نسل کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی ایک ماں اور ایک باپ کے ذریعہ وجود میں آتا ہے جو اس کی پرورش کرکے اس کو بڑا بناتے ہیں۔ یہ گویا انسان کی تربیت کا فطری نظام ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان کے اندر حقوق و فرائض کا شعور پیدا ہو۔ اس کے اندر یہ جذبہ پیدا ہو کہ اسے اپنے محسن کا احسان ماننا ہے اور اس کا حق ادا کرنا ہے۔ یہ جذبہ بیک وقت انسان کو دوسرے انسانوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اسی کے ساتھ خالق و مالک خدا کے عظیم تر حقوق کو ادا کرنے کی تعلیم بھی۔

جو لوگ فطرت کے معلم سے سبق لیں، جو لوگ اپنے شعور کو اس طرح بیدار کریں کہ وہ اپنے والدین سے لے کر اپنے خدا تک، ہر ایک کے حقوق کو پہچانیں اور ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کریں، وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت میں خدا کی ابدی رحمتوں کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔

ہر آدمی کا گھر اس کی پہلی تربیت گاہ ہے۔ یہ تربیت ماں اور باپ سے شروع ہوتی ہے اور پھر پورے سماج تک پھیل جاتی ہے۔ آدمی اگر اس ابتدائی تربیت گاہ کی تربیت بھرپور طور پر قبول کرلے تو وہ نہ صرف بندوں کے حقوق ادا کرنے کے قابل ہو جائے بلکہ خدا کے وسیع تر حقوق بھی۔

انسانی امتیاز

قرآن کی سورہ نمبر ۴۹ میں ارشاد ہوا ہے ——— اے لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قوموں اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے (الحجرات ۱۳)

انسان بظاہر ایک دوسرے سے مختلف دکھائی دیتے ہیں مگر سب کے سب ایک ہی ابتدائی باپ اور ماں کی اولاد ہیں جن کو آدم اور حوّا کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان جیسی ایک مخلوق کو پیدا کرنے کا فیصلہ فرمایا تو سب سے پہلے اس نے ایک ابتدائی جوڑا پیدا کیا، ایک مرد اور ایک عورت۔ اسی ابتدائی جوڑے سے انسانی نسل کا آغاز ہوا۔ جیسے جیسے انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی وہ زمین کے مختلف حصوں میں پھیلنے لگے یہاں تک کہ لمبی مدت کے بعد پوری زمین مردوں اور عورتوں سے آباد ہو گئی۔

زمین پر جغرافی حالات ہر جگہ یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ ایک حصہ اور دوسرے حصہ میں فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً کسی حصہ میں سخت گرمی ہے اور کسی حصہ میں سخت سردی۔ کسی حصہ میں خوراک کا زیادہ بڑا ذریعہ گوشت ہے اور کسی حصہ میں خوراک کا زیادہ بڑا ذریعہ زرعی پیداوار، وغیرہ۔

اس جغرافی فرق سے لوگوں کے رنگ اور حلیہ اور قد اور مزاج میں بھی فرق آتا چلا گیا۔ اس طرح کوئی سفید ہو گیا کوئی کالا، کوئی ایک نسل سے ہے اور کوئی دوسری نسل سے، یہ تمام فرق اضافی ہیں نہ کہ حقیقی۔ وہ صرف تعارف کے لیے ہیں نہ کہ امتیاز کے لیے۔ اکثر خرابیوں کا سبب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس ظاہری فرق کو حقیقی فرق سمجھنے لگتے ہیں اور اس کی بنا پر ایک دوسرے کے درمیان فرق کرنے لگتے ہیں۔ اس سے وہ تفریق اور تعصب وجود میں آتا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

انسان اپنے آغاز کے اعتبار سے سب کے سب ایک ہیں۔ ان میں امتیاز کی اگر کوئی بنیاد ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ کون اللہ سے ڈرنے والا ہے اور کون اللہ سے ڈرنے والا نہیں۔ ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان فرق ان کی حقیقی صفات کی بنیاد پر ہوتا ہے نہ کہ ان کی ظاہری خصوصیات کی بنیاد پر۔

خدائی نگرانی

قرآن کی سورہ نمبر ۵۰ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں ان باتوں کو جو اس کے دل میں آتی ہیں۔ اور ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ جب دو لینے والے لیتے رہتے ہیں جو کہ دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہیں۔ کوئی لفظ وہ نہیں بولتا مگر اس کے پاس ایک مستعد نگراں موجود ہے۔ اور موت کی بے ہوشی حق کے ساتھ آپہنچی۔ یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اور صور پھونکا جائے گا۔ یہ ڈرانے کا دن ہوگا۔ ہر شخص اس طرح آگیا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔ تم اس سے غفلت میں رہے۔ پس ہم نے تمہارے اوپر سے پردہ ہٹا دیا۔ پس آج تمہاری نگاہ تیز ہے۔ اور اس کے ساتھ کا فرشتہ کہے گا۔ یہ جو میرے پاس تھا حاضر ہے۔ جہنم میں ڈال دو ناشکر، مخالف کو۔ نیکی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شبہہ ڈالنے والا۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بنائے۔ پس اس کو ڈال دو سخت عذاب میں۔ اس کا ساتھی شیطان کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اسے سرکش نہیں بنایا بلکہ وہ خود راہ بھولا ہوا، دُور پڑا تھا۔ ارشاد ہوگا، میرے سامنے جھگڑا نہ کرو اور میں نے پہلے ہی تم کو عذاب سے ڈرا دیا تھا۔ میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی۔ اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں (ق ۲۹ - ۱۶)

دنیا کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہاں "ریکارڈنگ" کا ناقابل خطا نظام موجود ہے۔ انسان کی سوچ اس کے ذہنی پردہ پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو رہی ہے۔ انسان کا ہر بول ہوائی لہروں کی صورت میں مستقل طور پر باقی رہتا ہے۔ انسان کا عمل حرارتی لہروں کے ذریعہ خارجی دنیا میں اس طرح محفوظ ہو جاتا ہے کہ اس کو کسی بھی وقت دہرایا جا سکے۔ یہ سب آج کی معلوم حقیقتیں ہیں۔ اور یہ معلوم حقیقتیں قرآن کی اس خبر کو قابل فہم بنا رہی ہیں کہ انسان کی نیت، اس کا قول اور اس کا عمل سب کچھ خالق کے علم میں ہے۔ انسان کی ہر چیز فرشتوں کے رجسٹر میں درج کی جا رہی ہے۔

ان آیتوں میں موت اور اس کے بعد آنے والی قیامت کا منظر کھینچا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ وہاں ان لوگوں پر کیا بیتے گی جو موجودہ امتحان کی دنیا میں اپنے کو آزاد پاکر سرکش بنے ہوئے تھے۔ یہ منظر کشی بجائے خود اتنی واضح ہے کہ اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔

مقصدِ حیات

قرآن کی سورہ نمبر ۵۱ میں ارشاد ہوا ہے ——— اور میں نے جن اور انسان کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ میں ان سے رزق نہیں چاہتا۔ اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھ کو کھلائیں۔ بیشک اللہ ہی روزی دینے والا ہے، زور آور، زبردست ہے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ان کا ڈول بھر چکا ہے جیسے ان کے ساتھیوں کے ڈول بھرے تھے۔ پس وہ جلدی نہ کریں۔ پس منکروں کے لیے خرابی ہے ان کے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے (الذاریات ۵۶-۶۰)

خدا ہر قسم کا ذاتی اختیار رکھتا ہے۔ تاہم فرشتوں کو اس نے اپنی وسیع سلطنت کا انتظام کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر انسانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ انسان اس لیے پیدا نہیں کیے گئے کہ وہ خدا کی کسی شخصی یا انتظامی ضرورت کو پورا کریں۔ ان کی پیدائش کا واحد مقصد خدا کی عبادت ہے۔ عبادت کا مطلب اپنے آپ کو خدا کے آگے جھکانا ہے۔ اپنے آپ کو پوری طرح خدا کا پرستار بنا دینا ہے۔

اس عبادت کا خلاصہ معرفت ہے۔ چنانچہ ابن جُریج نے الا لیعبدون کی تشریح الا لیعرفون کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) یعنی انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ خدا کو بطور دریافت کے پائے۔ وہ بن دیکھے خدا کو پہچانے۔ اسی کا نام معرفت ہے۔ اس معرفت کے نتیجہ میں آدمی کی جو زندگی بنتی ہے اسی کو عبادت و بندگی کہا جاتا ہے۔

پانی کا ڈول بھرنے کے بعد ڈوب جاتا ہے۔ اسی طرح آدمی کی مہلتِ عمل پوری ہونے کے بعد فوراً اس کی موت آجاتی ہے۔ جو شخص ڈول بھرنے سے پہلے اپنی اصلاح کر لے اس نے اپنے آپ کو بچایا۔ اور جو شخص آخر وقت تک غافل رہا وہ ہلاک ہو گیا۔

ظالم لوگ اگر پکڑے نہ جا رہے ہوں تو انھیں یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ چھوڑ دیے گئے ہیں، وہ اس لیے آزاد ہیں کہ خدا کا طریقہ جلدی پکڑنے کا طریقہ نہیں، نہ اس لیے کہ خدا انھیں پکڑنے والا نہیں۔

خدا نے انسان کو اپنی ذات کی تکمیل کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔ بلکہ اس طرح خود انسان کو یہ موقع دیا گیا ہے کہ وہ موجودہ امتحان کی دنیا میں اپنے آپ کو خدا کا سچا بندہ ثابت کرے تاکہ وہ خدا کی ابدی نعمتوں کا حق دار بن سکے۔

پیغمبرانہ رہنمائی

قرآن کی سورہ نمبر ۵۳ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ کیا انسان کو خبر نہیں پہنچی اس بات کی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔ اور ابراہیم کے، جس نے اپنا قول پورا کر دیا۔ کہ کوئی اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا۔ اور یہ کہ اس کی کمائی عنقریب دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور یہ کہ سب کو تمہارے رب تک پہنچنا ہے (النجم ۴۲ - ۳۶)

اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اسی کے ساتھ اس کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کا سلسلہ قائم فرمایا۔ ہر دور میں اور ہر قوم میں پیغمبر آتے رہے اور وہ انسانوں تک خدا کی ہدایت پہنچاتے رہے۔ زندگی گزارنے کا سامان لوگوں کو خود اسی دنیا سے ملتا رہا۔ لیکن زندگی کے اصول اس کے پاس بار بار آسمان سے بھیجے جاتے رہے۔

ہر پیغمبر یکساں طور پر خدا کا سچا نمائندہ تھا۔ مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ پچھلے پیغمبروں کی کتابیں اور ان کی ہدایات یا تو مٹتی رہیں یا بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ آخر میں خدا نے پیغمبر عربی کو قرآن کے ساتھ بھیجا اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت کو کامل طور پر محفوظ کر دیا تاکہ ہر دور کے انسانوں کے لیے وہ مستند رہنمائی کا ذریعہ بنی رہے۔

پیغمبروں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو حقیقت کھولی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر آدمی کو لازماً اپنے عمل کا بدلہ پانا ہے۔ نہ کوئی شخص اپنے عمل کے انجام سے بچ سکتا ہے اور نہ کوئی دوسرا شخص کسی کو بچانے والا بن سکتا ہے۔ جو لوگ اس پیغمبرانہ چیتاونی سے متنبہ نہ ہوں ان سے بڑا نادان خدا کی اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔

خدا کی نسبت سے انسان کا جو معاملہ ہے اس میں ہر آدمی اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔ کوئی بھی آدمی نہ دوسرے کے انجام میں شریک ہو سکتا ہے اور نہ کوئی آدمی کسی بھی اعتبار سے دوسرے شخص کا مددگار بن سکتا ہے۔ خدا کی دنیا میں ہر آدمی کے لیے صرف وہی ہے جس کے لیے اس نے خود محنت کی ہو، ایک کی محنت کسی بھی حال میں دوسرے کے کام آنے والی نہیں۔

ٹھیک تول

قرآن کی سورہ نمبر ۵۵ میں ارشاد ہوا ہے ——— خدائے رحمٰن، اس نے قرآن کی تعلیم دی، اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کو بولنا سکھایا۔ سورج اور چاند کے لیے ایک حساب ہے۔ اور ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس نے آسمان کو اونچا کیا۔ اور اس نے ترازو رکھ دی۔ کہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور انصاف کے ساتھ سیدھی ترازو تولو۔ اور تول میں نہ گھٹاؤ (الرحمٰن ۹-۱)

انسان کو پیدا کرنا اور اس کے لیے آسمانی ہدایت اتارنا دونوں ہی خدا کی صفتِ رحمت کا ظہور ہیں۔ انسان کو پیدا کر کے خدا نے اس کو یہ موقع دیا کہ وہ زمین و آسمان میں اعلیٰ ترقی کا مقام حاصل کرے۔ وہ خوشیوں اور لذتوں کی ایک ابدی دنیا اپنے لیے پالے۔

اس کے بعد پیغمبر کی بعثت اور آسمانی کتاب کا نزول گویا اس نعمتِ الٰہی کا اتمام ہے۔ اس طرح انسان کو یہ موقع فراہم کیا گیا کہ وہ صحیح رہنمائی کے ساتھ یہاں اپنی زندگی کا آغاز کرے۔ وہ اِدھر اُدھر بھٹکے بغیر اس سیدھی شاہراہ پر اپنا سفر جاری رکھے جو اس کو منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہے۔

خدا نے انسان کو بنایا۔ اس کو نطق کی انوکھی صلاحیت دی جو ساری معلوم کائنات میں کسی کو حاصل نہیں۔ پھر انسان سے جو عادلانہ روش مطلوب تھی اس کا عملی نمونہ اس نے کائنات میں قائم کر دیا۔

انسان کے گرد و پیش کی پوری دنیا عین اسی اصولِ عدل پر قائم ہے جو انسان سے خدا کو مطلوب ہے۔ اور قرآن میں اسی عدل کو لفظی طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔ قرآن خدائی عدل کا لفظی اظہار ہے اور کائنات خدائی عدل کا عملی اظہار۔ بندوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے قول و عمل کو اسی ترازو سے ناپتے رہیں۔ وہ نہ لینے میں بے انصافی کریں اور نہ دینے میں۔

ترازو عدل کی علامت ہے۔ وہ کسی چیز کو ٹھیک معیاری وزن کے مطابق تول دیتا ہے۔ یہ ترازو بتاتا ہے کہ انسان کو اس دینا میں لینے اور دینے کے معاملہ میں کیا اصول اختیار کرنا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ اپنے قول و عمل میں یکسانیت پیدا کرے۔ اس کی ہر روش اس معیار کے مطابق ہو جو حق و صداقت کا معیار ہے۔

ہار جیت کا دن

قرآن کی سورہ نمبر ۶۴ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ (اے لوگو) خدا ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی ماننے والا ہے۔ اور کوئی نہ ماننے والا، اور خدا دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا۔ اور اس نے تمہاری صورت بنائی تو نہایت اچھی صورت بنائی اور اسی کی طرف لوٹنا ہے وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور خدا دلوں تک کی باتوں کا جاننے والا ہے ۔۔۔ انکار کرنے والوں نے دعویٰ کیا کہ وہ ہرگز دوبارہ اٹھائے نہ جائیں گے۔ کہو کہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تم کو بتایا جائے گا۔ جو کچھ تم نے کیا ہے۔ اور یہ خدا کے لیے بہت آسان ہے۔ پس خدا پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے پیغمبر پر اور اس نور پر جس کو ہم نے اتارا ہے۔ وہ خدا جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جس دن وہ تم سب کو ایک جمع ہونے کے دن جمع کرے گا۔ یہی دن ہار جیت کا دن ہوگا اور جو شخص خدا پر ایمان لایا ہوگا۔ اور اس نے نیک عمل کیا ہوگا۔ خدا اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا۔ اور اس کو باغوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہی ہے بڑی کامیابی (التغابن ۲-۹)

کسی شخص کو دنیا میں کامیابی مل جائے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو شخص یہاں ناکامی سے دوچار ہو وہ لوگوں کی نظر میں حقیر بن کر رہ جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی ہار بھی بے قیمت ہے اور جیت بھی۔

ہار جیت کا اصل مقام آخرت ہے۔ ہارنے والا وہ ہے جو آخرت میں ہارے۔ اور جیتنے والا وہ ہے جو آخرت میں جیتے۔ اور وہاں کی ہار جیت کا معیار بالکل مختلف ہے۔ دنیا میں ہار جیت ظاہری مادیات کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اور آخرت کی ہار جیت خدائی معیار کی بنیاد پر ہوگی۔ اس وقت دیکھنے والے یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ یہاں سارا معاملہ بالکل بدل گیا ہے۔ جس پانے کو لوگ پانا سمجھ رہے تھے وہ دراصل کھونا تھا۔ اور جس کھونے کو لوگوں نے کھونا سمجھ رکھا تھا وہی دراصل وہ چیز تھی جس کو پانا کہا جائے۔

تخلیقی منصوبہ

قرآن کی سورہ نمبر ۶۷ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ (اے لوگو) بڑا بابرکت ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے۔ اور وہ زبردست ہے۔ بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے سات آسمان۔ اوپر تلے، تم رحمٰن کے بنانے میں کوئی خلل نہیں دیکھو گے۔ پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لو۔ کیا تم کو کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھو۔ نگاہ ناکام تھک کر تمہاری طرف واپس آجائے گی اور ہم نے قریب کے آسمانوں کو چراغوں سے سجایا ہے۔ اور ہم نے ان کو شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ہم نے ان کے لیے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا۔ ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔ اور وہ بُرا ٹھکانا ہے (الملک ۱-۶)

جب ایک شخص موجودہ دنیا کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کو یہاں بظاہر ایک تضاد نظر آتا ہے۔ انسان کے سوا جو بقیہ کائنات ہے وہ انتہائی حد تک منظم اور کامل ہے۔ اس میں کہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ اس کے برعکس انسانی زندگی میں ظلم و فساد نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ انسان کی علاحدہ نوعیت ہے۔ انسان اس دنیا میں حالتِ امتحان میں ہے۔ امتحان لازمی طور پر عمل کی آزادی چاہتا ہے۔ اس عمل کی آزادی نے انسان کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ دنیا میں ظلم و فساد کر سکے۔

انسانی دنیا کا ظلم انسانی آزادی کی قیمت ہے۔ اگر یہ حالات نہ ہوں تو ان قیمتی انسانوں کا انتخاب کیسے کیا جائے گا۔ جنھوں نے ظلم کے مواقع پاتے ہوئے ظلم نہیں کیا، جنھوں نے سرکشی کی طاقت رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو سرکشی سے بچایا۔

انسان کے سوا کائنات میں جو دوسری چیزیں ہیں ان کے لیے نہ جنّت ہے اور نہ جہنم، مگر انسان کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے۔ انسان کو استثنائی طور پر حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت دی گئی ہے۔ حال کا یہ فرق مستقبل کے فرق کی ایک علامت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کار انسان کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور اس کے بعد امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو انعام ملے گا۔ اور جو لوگ ناکام ہوں گے وہ سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔

اندرونی شہادت

قرآن کی سورہ نمبر ۷۵ میں ارشاد ہوا ہے ——— نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں۔ میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کریں گے۔ کیوں نہیں، ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں۔ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ ڈھٹائی کرے اس کے سامنے۔ وہ پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔ پس جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور سورج اور چاند اکٹھا کر دیے جائیں گے۔ اس دن انسان کہے گا کہ کہاں بھاگوں۔ ہرگز نہیں، کہیں پناہ نہیں۔ اس دن تیرے رب ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔ اس دن انسان کو بتایا جائے گا کہ اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ بلکہ انسان خود اپنے آپ کو جانتا ہے، چاہے وہ کتنے ہی بہانے پیش کرے (القیامہ ۱۵-۱)

ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر ایک صلاحیت موجود ہے۔ اس کو نفس لوّامہ یا ضمیر کہا جاتا ہے۔ یہ صلاحیت آدمی کے اندر آزادانہ طور پر کام کرتی ہے۔ وہ اس کی عقل اور اس کی خواہش دونوں سے غیر متاثر رہ کر بار بار اس کو یہ بتاتی ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط، کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔

یہ ضمیر گویا خدا کی عدالت ہے۔ وہ پیشگی طور پر انسان کو اس کی غلطیوں سے خبردار کرتی ہے۔ وہ بار بار اس کو بتاتی ہے کہ اس کے لیے درست رویہ کیا ہے اور غلط رویہ کیا ہے۔ اس کے باوجود انسان خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح زندگی گزارتا ہے جیسے کہ قیامت کا دن آنے والا نہیں ہے جب کہ اس سے اس کے قول و عمل کا حساب لیا جائے گا۔

جو آدمی اس قسم کا رویہ اختیار کرے وہ گویا خود اپنی فطرت کا انکار کر رہا ہے۔ خود اس کا اندرون اس کو آواز دیتا ہے مگر وہ اس کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ضمیر پیشگی طور پر اس کے حق میں خدائی فیصلہ کا اعلان ہے۔ آدمی اگر اس آواز پر کان لگائے تو وہ موت سے پہلے ہی یہ جان لے گا کہ موت کے بعد اس کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے۔

دو راستے

قرآن کی سورہ نمبر ۷۶ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ کبھی انسان پر زمانہ میں ایک وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ ہم نے انسان کو ایک مخلوط بوند سے پیدا کیا، ہم اس کو پلٹتے رہے۔ پھر ہم نے اس کو سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔ ہم نے اس کو راہ سجھائی چاہے وہ شکر کرنے والا بنے یا انکار کرنے والا۔ ہم نے منکروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ نیک لوگ ایسے پیالے سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی، اس چشمہ سے خدا کے بندے پئیں گے۔ وہ اس کی شاخیں نکالیں گے۔ وہ لوگ واجبات کو پورا کرتے ہیں۔ اور ایسے دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔ اور اس کی محبت پر کھانا کھلاتے ہیں۔ محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔ ہم جو تم کو کھلاتے ہیں۔ تو خدا کی خوشی چاہنے کے لیے ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔ ہم اپنے رب کی طرف سے ایک سخت اور تلخ دن کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ پس خدا نے ان کو اس دن کی سختی سے بچا لیا۔ اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائی اور ان کے صبر کے بدلہ میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا کیا (الدھر ۱-۱۲)

دنیا میں انسان کو آزاد پیدا کیا گیا۔ اور پھر اس کو راہ دکھادی گئی۔ ناشکری کی راہ اور شکر گزار زندگی کی راہ۔ اب یہ انسان کے اپنے اوپر ہے کہ وہ دونوں میں سے کون سی راہ اختیار کرتا ہے۔ جو شخص ناشکری کا طریقہ اختیار کرے اس کے لیے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے۔ اور جو شخص شکر گزاری کا طریقہ اختیار کرے اس کے لیے جنت کی نعمتیں۔

جو آدمی خدا کو پہچان لے، اسی کے ساتھ وہ تمام حقیقتوں کو بھی پہچان لیتا ہے۔ خدا کا علم اس کے اوپر دوسرے تمام علوم کے دروازے کھول دیتا ہے۔ وہ اگر ایک طرف خدا شناس بنتا ہے تو دوسری طرف وہ پورے معنوں میں حقیقت شناس بھی بن جاتا ہے۔ اس کی یہ معرفت اس کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ خدا کے حقوق بھی ادا کرے اور اسی کے ساتھ دوسرے انسانوں کے حقوق بھی۔

فطرت اور شریعت میں حقیقت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

نظامِ خداوندی

قرآن کی سورہ نمبر ۷۹ میں ارشاد ہوا ہے ——— کیا تمہارا بنانا زیادہ مشکل ہے یا آسمان کا، اللہ نے اس کو بنایا۔ اس کی چھت کو بلند کیا۔ پھر اس کو درست بنایا۔ اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔ اور زمین کو اس کے بعد پھیلایا۔ اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا۔ اور پہاڑوں کو قائم کر دیا، سامانِ حیات کے طور پر تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے۔ پھر جب وہ بڑا ہنگامہ آئے گا۔ جس دن انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا۔ اور دیکھنے والوں کے سامنے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔ پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، تو دوزخ اس کا ٹھکانا ہوگا اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا، تو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ وہ قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب کھڑی ہوگی۔ تم کو کیا کام اس کے ذکر سے۔ یہ معاملہ تیرے رب کے حوالے ہے تم تو بس ڈرانے والے ہو اس شخص کو جو ڈرے۔ جس روز یہ اس کو دیکھیں گے تو گویا وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کی صبح (النازعات ۴۶-۲۷)

کائنات کی صورت میں جو واقعہ ہمارے سامنے موجود ہے وہ اتنا زیادہ بڑا ہے کہ اس کے بعد ہر دوسرا واقعہ اس سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔ پھر جس دنیا میں بڑے واقعہ کا ظہور ممکن ہو وہاں چھوٹے چھوٹے واقعہ کا ظہور کیوں ممکن نہ ہوگا۔ ایسی حالت میں قرآن کی یہ خبر کہ انسان کو دوبارہ پیدا ہونا ہے ایک ایسی خبر ہے جس کو قابل فہم بنانے کے لیے پہلے ہی سے بہت بڑے پیمانے پر معلوم اسباب موجود ہیں۔

آدمی دو چیزوں کے درمیان ہے۔ ایک موجودہ دنیا جو سامنے ہے۔ اور دوسرے، آخرت کی دنیا جو غیب میں ہے۔ آدمی کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ موجودہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دے۔ مگر یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنے نفس کی خواہشوں پر کنٹرول کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

انسان کو موجودہ دنیا میں آزمائش کے لیے رکھا گیا ہے۔ آزمائش لازمی طور پر آزادی چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو کائنات کے بقیہ اجزاء کی طرح مجبور نہیں کیا گیا۔ اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے آپ کو نظامِ خداوندی کے مطابق بنائے۔ اور چاہے تو اس سے منحرف ہو جائے۔ مگر یہ آزادی صرف عمل کے لیے ہے نہ کہ انجام کے لیے۔ انسان کا آخری انجام بہرحال وہی ہونا ہے جو خدا کے محکم قانون کے مطابق اس کا ہونا چاہیے۔

نعمتِ طعام

قرآن کی سورہ نمبر ۸۰ میں ارشاد ہوا ہے ——— پس انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے۔ ہم نے پانی برسایا اچھی طرح۔ پھر ہم نے زمین کو اچھی طرح پھاڑا۔ پھر اگائے اس میں غلّے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتوں اور کھجور اور گھنے باغ اور پھل اور سبزہ، تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان حیات کے طور پر۔ پس جب وہ کانوں کو بہرہ کر دینے والا شور برپا ہوگا۔ جس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس دن ایسا فکر لگا ہوگا جو اس کو کسی اور طرف متوجہ نہ ہونے دے گا۔ کچھ چہرے اس دن روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے، خوشی کرتے ہوئے۔ اور کچھ چہروں پر اس دن خاک اڑ رہی ہوگی۔ ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی لوگ منکر ہیں، ڈھیٹ ہیں (عبس ۴۲-۴۲)

انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو زندہ رہنے کے لیے مسلسل خوراک کی ضرورت ہے۔ اس خوراک کا انتظام ہماری زمین پر نہایت وسیع پیمانہ پر کیا گیا ہے، جب کہ اس انتظام میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ اس خوراک کا ایک انتظام وہ ہے جو ہمارے لیے زرعی پیداوار کی صورت میں کیا گیا ہے، زمین پر پانی کا انتظام اور پانی کے ذریعہ طرح طرح کے غلّے اور میوے کا پیدا ہونا۔ اس زرعی پیداوار کی حیثیت ہمارے لیے براہ راست خوراک کی ہے۔ دوسری خوراک وہ ہے جس کو بالواسطہ طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ یعنی حیوانات کا زمینی پیداوار کو کھا کر اس کو گوشت کی صورت میں تبدیل کرنا۔

اس نعمت کا تقاضا ہے کہ انسان دنیا میں خدا پرست بن کر رہے۔ یہ خدا پرستی جو انسان سے مطلوب ہے اس کا محرک اصلاً شکر ہے۔ انسان اپنی تخلیق کو سوچے اور اپنے گرد و پیش کے قدرتی انتظامات پر غور کرے تو لازماً اس کے اندر اپنے رب کے بارہ میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس شکر اور احسان مندی کے جذبہ کے تحت جس عمل کا ظہور ہوتا ہے اسی کا نام خدا پرستی ہے۔

آخرت کی عزتیں اور کامیابیاں صرف ایسے ہی لوگوں کا حصہ ہوں گی۔

ایھا الانسان

قرآن کی سورہ نمبر ۸۲ میں انسان کو خطاب کرتے ہوئے کہا گیا ہے ——— اے انسان، تجھ کو کس چیز نے اپنے رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے تجھ کو پیدا کیا۔ پھر تیرے اعضاء کو درست کیا۔ پھر تجھ کو متناسب بنایا۔ جس صورت میں چاہا تم کو ترتیب دے دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہو۔ حالاں کہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔ بے شک نیک لوگ عیش میں ہوں گے۔ اور بے شک گنہ گار دوزخ میں۔ انصاف کے دن وہ اس میں ڈالے جائیں گے۔ وہ اس سے جدا ہونے والے نہیں۔ اور تم کو کیا خبر کہ انصاف کا دن کیا ہے۔ پھر تم کو کیا خبر انصاف کا دن کیا ہے۔ اس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے لیے کچھ نہ کر سکے گی۔ اور معاملہ اس دن اللہ ہی کے اختیار میں ہوگا (الانفطار ۱۹-۶)

انسان معلوم کائنات کی سب سے زیادہ بامعنی مخلوق ہے۔ انسان کو ایک ایسا جسم دیا گیا ہے، جو انتہائی حد تک موزوں ہے۔ اس کو ایک ایسا دماغ دیا گیا ہے، جس سے بہتر عطیہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کے ساتھ جس دنیا میں انسان کو رکھا گیا ہے، وہ بھی ناقابل بیان حد تک انسانی ضروریات کے مطابق ہے۔

عطیہ ہمیشہ اپنے ساتھ ذمہ داری لاتا ہے۔ یہی فطری اصول انسان کے معاملہ میں بھی ہے۔ انسان کو جو غیر معمولی عطیہ ملا ہے وہ خود اس بات کا اعلان ہے کہ اس کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی جڑی ہوئی ہیں۔

وہ ذمہ داری یہ ہے کہ انسان خدا کی نعمتوں کو خدا کی امانت سمجھے۔ وہ خدا کے عطیات میں خدا کی مرضی کے مطابق تصرف کرے۔

انسان کی بامعنی تخلیق ایک انتہائی بامعنی مقصد کے لیے ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک دن اس کو انصاف کی عدالت میں کھڑا کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کس نے خدا کی دی ہوئی چیزوں میں صحیح تصرف کیا۔ اور وہ کون ہے جو اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکام رہا۔ یہ انصاف کا دن جو موت کے بعد آنے والا ہے، اس دن خدا تمام انسانوں کو اپنے ریکارڈ کے مطابق جانچے گا، اس جانچ میں جو لوگ پورے اتریں ان کے لیے جنت ہے، اور جو لوگ اس جانچ میں پورے نہ اتریں ان کے لیے جہنم۔

اے انسان

قرآن کی سورہ نمبر ۸۴ میں ارشاد ہوا ہے ——— جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے۔ اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور وہ اپنے اندر کی چیزوں کو اگل دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ اور وہ اپنے رب کا حکم سن لے گی اور وہ اسی لائق ہے۔ اے انسان تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف جا رہا ہے۔ پھر اس سے ملنے والا ہے۔ تو جس کو اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، اس سے آسان حساب لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے لوگوں کے پاس خوش خوش آئے گا اور جس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا، وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا۔ وہ اپنے لوگوں میں بے غم رہتا تھا۔ اس نے خیال کیا تھا کہ اس کو لوٹنا نہیں ہے۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اس کو دیکھ رہا تھا۔ پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور ان چیزوں کی جن کو وہ سمیٹ لیتی ہے۔ اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے۔ کہ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے۔ تو انھیں کیا ہو گیا کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ خدا کی طرف نہیں جھکتے۔ بلکہ منکرین جھٹلا رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں۔ پس ان کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے عمل کیے ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے (الانشقاق ۲۵-۱)

یہاں قیامت سے متعلق جو بات کہی گئی ہے وہ بظاہر نامعلوم دنیا کے بارہ میں ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم ایسے شواہد موجود ہیں جو اس کی صداقت کا قرینہ پیدا کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال موجودہ دنیا ہے۔ ایک دنیا کی موجودگی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ دوسری ایسی ہی یا اس سے بہتر دنیا وجود میں آسکتی ہے۔ دوسرے، قرآن میں ایسے غیر معمولی پہلوؤں کا موجود ہونا جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ خدا کی کتاب ہے۔

ان واضح قرائن کے بعد جو لوگ آخرت پر یقین نہ کریں اور آخرت فراموشی کی زندگی گزاریں وہ بلاشبہ ایک ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

مہلت کا لمحہ

قرآن کی سورہ نمبر ۸۶ میں ارشاد ہوا ہے کہ ـــــ قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور تم کیا جانو کہ وہ رات کو نمودار ہونے والا کیا ہے۔ چمکتا ہوا تارہ۔ کوئی جان ایسی نہیں ہے جس کے اوپر نگہبان نہ ہو۔ تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو نکلتا ہے پیٹھ اور سینے کے درمیان سے، بے شک وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ جس دن چھپی باتیں پرکھی جائیں گی۔ اس وقت انسان کے پاس کوئی زور نہ ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ قسم ہے آسمان چکر مارنے والے کی۔ اور پھوٹ نکلنے والی زمین کی۔ بے شک یہ دو ٹوک بات ہے۔ اور وہ ہنسی کی بات نہیں۔ وہ تدبیر کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اور میں بھی تدبیر کرنے میں لگا ہوا ہوں۔ پس منکروں کو ڈھیل دے، ان کو ڈھیل دے تھوڑے دنوں (الطارق ۱-۱۷)

انسان کے اوپر ستارہ کا چمکنا تمثیل کی زبان میں اس واقعہ کی ایک یاد دہانی ہے کہ کوئی دیکھنے والا اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ دیکھنے والا انسان کے اعمال کو ریکارڈ کر رہا ہے۔ وہ موت کے بعد دوبارہ انسان کو پیدا کرے گا۔ اور اس سے اس کے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ یہ صرف امتحان کی مہلت ہے۔ جو انسان کے درمیان اور آنے والے وقت کے درمیان حد فاصل بنی ہوئی ہے۔ امتحان کی مدت ختم ہوتے ہی اس کا وہ انجام سامنے آجائے گا جس سے آج وہ بظاہر بہت دور نظر آتا ہے۔

کائنات کا خالق اپنی ذات کے اعتبار سے غیب میں ہے۔ مگر اپنے تخلیقی عمل کے اعتبار سے وہ کائنات کی ہر چیز میں نمایاں ہے۔ انسان اگر سنجیدگی کے ساتھ کائنات پر غور کرے تو وہ یقینی طور پر خدا کو پالے گا۔ وہ اس حقیقت کو جان لے گا کہ موجودہ کائنات میں اس کے لیے صرف خدا کی اطاعت کا رویہ درست ہے۔ خدا کے ساتھ سرکشی کرنے والے کے لیے خدا کی اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔ مصنوع صانع کا تعارف ہے۔ اسی طرح مخلوقات میں دیکھنے والے کے لیے خالق کی جھلکیاں دیتی ہیں۔

پرچۂ امتحان

قرآن کی سورہ الفجر نمبر ۸۹ میں ارشاد ہوا ہے ——— پس انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو عزت دی۔ اور جب وہ اس کو آزماتا ہے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھ کو ذلیل کر دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ اور تم مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں ابھارتے۔ اور تم وراثت کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور تم مال سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہو۔ ہرگز نہیں، جب زمین کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور تمہارا رب آئے گا اور فرشتے آئیں گے قطار در قطار۔ اور اس دن جہنم لائی جائے گی، اس دن انسان کو سمجھ آئے گی۔ اور اب سمجھ آنے کا موقع کہاں۔ وہ کہے گا۔ کاش میں اپنی زندگی میں کچھ آگے بھیجتا۔ پس اس دن نہ تو خدا کے برابر کوئی عذاب دے گا اور نہ اس کے باندھنے کے برابر کوئی باندھے گا۔ اے نفس مطمئن، چل اپنے رب کی طرف۔ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی۔ پھر شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری جنت میں (الفجر ۳۰ — ۱۵)

دنیا میں آدمی کو دو قسم کے احوال پیش آتے ہیں۔ کبھی پانا اور کبھی محروم ہو جانا۔ یہ دونوں حالتیں امتحان کے لیے ہیں۔ وہ اس جانچ کے لیے ہیں کہ آدمی کس حالت میں کون سا ردعمل پیش کرتا ہے۔ جس شخص کا معاملہ یہ ہو کہ جب اس کو کچھ ملے تو وہ فخر کرنے لگے اور جب اس سے چھینا جائے تو وہ منفی نفسیات میں مبتلا ہو جائے، ایسا شخص امتحان میں ناکام ہو گیا۔

دوسرا انسان وہ ہے کہ جب اس کو ملا تو اس نے خدا کے سامنے جھک کر اس کا شکر ادا کیا، اور جب اس سے چھینا گیا تو دوبارہ اس نے خدا کے آگے جھک کر اپنے عجز کا اقرار کیا۔ یہی دوسرا انسان ہے جس کو یہاں نفس مطمئنہ کہا گیا ہے۔ یعنی مطمئن روح۔

دنیا میں آدمی کو مال کی صورت میں یا کسی اور صورت میں جو چیزیں ملتی ہیں وہ سب اس کے لیے امتحان کا پرچہ ہیں۔ وہ بذات خود مطلوب نہیں ہیں بلکہ ایک اور مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ وہ مقصد یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کو اس طرح استعمال کرے کہ وہ آئندہ آنے والی ابدی زندگی میں اس کی نجات کا ذریعہ بن سکیں۔

دو بلندیاں

قرآن کی سورہ نمبر ۹۰ میں ارشاد ہوا ہے ——— نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔ اور تم اس میں مقیم ہو۔ اور قسم ہے باپ کی اور اس کی اولاد کی۔ ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا زور نہیں۔ کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا۔ کیا وہ سمجھتا ہے کہ کسی نے اس کو نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور ہم نے اس کو دونوں راستے بتا دیے۔ پھر وہ گھاٹی پر نہیں چڑھا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ گھاٹی۔ گردن کو چھڑانا۔ یا بھوک کے زمانہ میں کھلانا، قرابت دار یتیم کو، یا خاک نشیں محتاج کو۔ پھر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو ہمدردی کی نصیحت کی۔ یہی لوگ نصیب والے ہیں۔ اور جو ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہ بدبختی والے ہیں، ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی (البلد ۲۰-۱)

انسان کسی حال میں اپنے آپ کو مشقتوں سے آزاد نہیں کر پاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کسی بالاتر قوت کے ماتحت ہے۔ اسی طرح انسان کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ کوئی برتر آنکھ بھی ہے جو اس کو دیکھ رہی ہے۔ انسان کی قوت نطق اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اوپر بھی ایک صاحبِ نطق موجود ہے جس نے اس کو نطق کی صلاحیت دی۔ اور اس کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ آدمی اگر حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو پہچان لے تو یقیناً وہ خدا کو بھی پہچان لے گا۔

خدا نے انسان کو دو قسم کی بلندیوں پر چڑھنے کا حکم دیا ہے۔ ایک انسان کے ساتھ منصفانہ سلوک اور انسان کی ضرورتوں میں اس کے کام آنا۔ دوسری چیز اللہ پر ایمان و یقین ہے۔ یہ ایمان و یقین جب آدمی کے اندر گہرائی کے ساتھ اترتا ہے تو وہ آدمی کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ متعدی بن جاتا ہے۔ ایسا انسان دوسروں کو بھی اسی حق پر لانے کی کوشش کرنے لگتا ہے جس کو وہ خود اختیار کیے ہوئے ہے۔

خدائی اصولوں کے تحت زندگی گزارنا انسان کو مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ بظاہر مشکل اپنے اندر آسانی لیے ہوئے ہے کیونکہ وہ انسان کو ابدی نجات کی طرف لے جانے والی ہے۔

احسن تقویم

قرآن کی سورہ نمبر ۹۵ میں ارشاد ہوا ہے ——— قسم ہے تین کی اور زیتون کی۔ اور طورِ سینا کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔ ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔ پھر اس کو سب سے نیچے پھینک دیا۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے تو ان کے لیے کبھی نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ تو اب کیا ہے جس سے تم بدلہ ملنے کو جھٹلاتے ہو۔ کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں (التین ۸-۱)

تین اور زیتون دو پہاڑوں کے نام ہیں جو بیت المقدس کے قریب واقع ہیں۔ یعنی وہ مقام جہاں حضرت مسیح آئے اور لوگوں کے سامنے خدائی ہدایت کا اعلان کیا۔ طورِ سینین سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ پر خدا نے اپنا کلام نازل فرمایا۔ بلدِ امین سے مراد مکّہ ہے جہاں پیغمبر اسلام مبعوث ہوئے اور آپؐ پر خدا نے اپنا آخری ہدایت نامہ اتارا۔

یہ مقامات اس حقیقت کی تاریخی یادگار ہیں کہ خدا انسان کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ اپنی پسند اور ناپسند کا علم مستند ذریعہ سے اس کے پاس بھیجتا ہے۔ اس طرح خدا ہر ایک کو پیشگی طور پر بتا رہا ہے کہ وہ اس دنیا میں کس قسم کی زندگی گزارے تاکہ وہ برے انجام سے بچ جائے۔ اور خدا کی ابدی نعمتوں میں اپنا حصہ پا سکے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہ صلاحیتیں اس لیے ہیں کہ انسان پیغمبروں کے ذریعہ ظاہر کیے جانے والے حق کو پہچانے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنائے۔ جو لوگ ایسا کریں وہ عزت اور بلندی کا ابدی مقام پائیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی خداداد صلاحیتوں کو خدا کی مرضی کے تابع نہ کریں، ان سے موجودہ نعمتیں بھی چھین لی جائیں گی اور کامل محرومی کے سوا کوئی جگہ نہ ہوگی جہاں ان کو ٹھکانا مل سکے ——— پیغمبروں کی بعثت اور پیغمبروں کے ذریعہ ظاہر ہونے والے نتائج اس کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں۔

صرف اعلیٰ مقصد ہی انسان کی زندگی کا مقصد ہو سکتا ہے۔ وہ اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنی صلاحیتوں کے صحیح استعمال کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل کرے اور خدا کی پسند والی زندگی گزارے۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا کے یہاں بہت بڑا انعام ہے۔ جو لوگ اس معیار پر پورے نہ اتریں ان کا انجام کامل گھاٹے کے سوا اور کچھ نہیں۔

کتاب ہدایت

قرآن کی سورہ نمبر ۹۶ میں ارشاد ہوا ہے ——— پڑھ اپنے رب کے نام سے۔ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو علق سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ جانتا نہ تھا۔ ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے کو بے نیاز دیکھتا ہے۔ بے شک تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے (العلق ۸-۱)

یہ قرآن کی وہ آیتیں ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے اتاری گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے پیغمبروں پر وحی بھیجنے کا جو طریقہ اختیار فرمایا اس کا مقصد کیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو وہ بات بتائی جائے جس سے انسان عام حالات میں باخبر نہیں ہو سکتا تھا۔

موجودہ دنیا میں انسان بظاہر آزاد ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ انسان کی کوئی پکڑ نہیں۔ موجودہ دنیا میں انسان کچھ دن زندہ رہ کر مر جاتا ہے۔ اس سے یہ گمان گزرتا ہے کہ انسان کی زندگی، بس پیدائش سے موت تک ہے، اس کے آگے اور کچھ نہیں۔

اسی بے خبری کو توڑنے کے لیے خدا نے وحی اور رسالت کا سلسلہ قائم کیا۔ ہر دور میں اور ہر قوم میں خدا کی طرف سے پیغمبر آتے رہے۔ یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے جو آخری نبی ہیں۔ اور اب وہی قیامت تک کے لوگوں کے لیے ہدایت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

یہ پیغمبرانہ خبر، یہ ہے کہ انسان موجودہ دنیا میں آزاد نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کرے۔ اس کو اپنے تمام معاملات میں خدا کے ان حکموں کی پابندی کرنی ہے جو پیغمبر کے ذریعہ اس کو دیے گئے ہیں۔

خدا نے صرف خبر دے کر انسان کو چھوڑ نہیں دیا ہے بلکہ وہ اس کی نگرانی کر رہا ہے۔ موت کے بعد تمام انسان خدا کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اور پھر ہر ایک کے لیے اس کے دنیوی ریکارڈ کے مطابق سزا یا انعام کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ انسان کی ہدایت کے لیے اصل اہمیت نبی کی ذاتی موجودگی نہیں ہے بلکہ اس کی لائی ہوئی کتاب کی موجودگی ہے۔ خدا کی کتاب، قرآن چونکہ محفوظ حالت میں موجود ہے اور پیغمبر کی سنت بھی مدون حالت میں موجود ہے اس لیے اب کسی انسان کے لیے کوئی عذر نہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ کتاب وسنت سے ہدایت لے کر اپنی زندگی کی تعمیر کرے۔ اور خدا کی ابدی رحمتوں کا مستحق بن جائے۔

ایک بھونچال

قرآن کی سورہ نمبر ۹۹ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ جب زمین شدت سے ہلادی جائے گی۔ اور زمین اپنا بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی۔ اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی۔ کیوں کہ تمہارے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس دن لوگ الگ الگ نکلیں گے۔ تاکہ ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ پس جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا (الزلزال ۸-۱)

قیامت کا زلزلہ مدت امتحان کے ختم ہونے کا اعلان ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب لوگوں سے وہ آزادی چھن گئی جو امتحان کی مصلحت کی بنا پر انھیں حاصل تھی۔ اب وہ وقت آگیا جب لوگوں کو ان کے عمل کا بدلہ دیا جائے۔ آج خدا کی دنیا بظاہر خاموش ہے۔ مگر جب حالات بدلیں گے تو یہاں کی ہر چیز بولنے لگے گی۔ موجودہ زمانہ کی ایجادات نے ثابت کیا ہے کہ بے جان چیزیں بھی "بولنے" کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسٹوڈیو میں کیے ہوئے عمل کو فلم اور ریکارڈ پوری طرح دہرا دیتے ہیں۔ اسی طرح موجودہ دنیا گویا بہت بڑا خدائی اسٹوڈیو ہے۔ اس کے اندر انسان جو کچھ کرتا ہے یا جو کچھ بولتا ہے وہ سب ہر لمحہ محفوظ ہو رہا ہے۔ اور جب وقت آئے گا تو ہر ایک کی کہانی کو یہ دنیا اس طرح دہرا دے گی کہ اس کی کوئی بھی بات اس سے بچی ہوئی نہ ہوگی، خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی۔

دنیا میں انسان کے رویہ کو درست کرنے کے لیے صرف ایک ہی چیز کافی ہے۔ آدمی کو اس بات کا پختہ شعور ہو جائے کہ وہ ہر لمحہ خدا کی نگرانی میں ہے۔ اس کا پورا کارنامۂ حیات خدا کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ چھوٹا عمل ہو یا بڑا عمل، چھپ کر کیا ہوا کام یا اعلانیہ کیا ہوا کام، سب کا سب وہاں سامنے آجائے گا۔

آدمی کو اس حقیقت کا پورا یقین ہو جائے تو زمین کے ہلائے جانے سے پہلے وہ خود ہل جائے گا۔ قیامت کے عام زلزلہ سے پہلے خود اس کی اپنی روح میں ایک ایسا زلزلہ آجائے گا جو اس کو آخری حد تک بدل کر رکھ دے۔ اس کے بعد آدمی خود اپنا نگراں بن جائے گا۔ وہ آزاد زندگی کے بجائے پابند زندگی اختیار کرلے گا۔ وہ اپنے اختیار کو خدا کے حکم کے تحت استعمال کرے گا نہ کہ آزادانہ طور پر۔

موت کے بعد

قرآن کی سورہ نمبر ۱۰۰ میں ارشاد ہوا ہے ——— قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پھر ٹاپ مار کر چنگاری نکالنے والے۔ پھر صبح کے وقت چھاپہ مارنے والے۔ پھر اس میں غبار اڑانے والے۔ پھر اس وقت فوج میں گھس جانے والے۔ بے شک انسان اپنے رب کا شکر نہیں کرتا۔ اور وہ خود اس پر گواہ ہے۔ اور وہ مال کی محبت میں بہت شدید ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب وہ قبروں سے نکالا جائے گا۔ اور نکالا جائے گا جو کچھ دلوں میں ہے۔ بے شک اس دن ان کا رب ان سے خوب باخبر ہوگا (العٰدیٰت ۱۱-۱)

گھوڑا ایک نہایت وفادار جانور ہے۔ وہ اپنے مالک کے لیے اپنے آپ کو آخری حد تک قربان کر دیتا ہے، حتیٰ کہ جنگ کے میدان میں بھی وہ اپنے مالک کا ساتھ نہیں چھوڑتا خواہ اس میں اس کی جان چلی جائے۔

یہ گویا ایک علامتی مثال ہے جو انسان کو بتاتی ہے کہ اسے کیسا بننا چاہیے۔ انسان کو بھی اپنے رب کا اسی طرح وفادار بننا چاہیے جیسا کہ گھوڑا انسان کا وفادار ہوتا ہے۔ مگر عملاً ایسا نہیں۔

اس دنیا میں جانور اپنے مالک کا شکر گزار ہے۔ مگر انسان اپنے رب کا شکر گزار نہیں۔ یہاں جانور اپنے مالک کا حق پہچانتا ہے۔ مگر انسان اپنے رب کا حق نہیں پہچانتا۔ یہاں جانور اپنے مالک کی اطاعت میں سرگرم ہے۔ مگر انسان اپنے رب کی اطاعت میں سرگرم نہیں۔

انسان اسی جانور کی قدر کرتا ہے جو اس کا وفادار ہو۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ اس راز کو نہ جانے کہ خدا کے یہاں وہی انسان قابل قدر ٹھہرے گا جو خدا کی نظر میں اس کا وفادار ثابت ہو۔ مگر مال کی محبت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ وہ ایک ایسی حقیقت کو جاننے سے محروم رہتا ہے۔ جس کا وہ خود اپنے قریبی حالات میں تجربہ کر چکا تھا۔

یہ صورت حال اسی طرح باقی رہنے والی نہیں۔ انسان کی موت اس بات کا الارم ہے کہ وہ مکمل طور پر خدا کی پکڑ میں ہے۔ موت دراصل، حساب و کتاب کی دنیا میں داخلہ کا دروازہ ہے۔ وہاں انسان کو اس خدا کی عدالت کے سامنے کھڑا ہونا ہے جس سے انسان کی کوئی بھی بات چھپی ہوئی نہیں۔

باوزن عمل

قرآن کی سورہ نمبر ۱۰۱ میں ارشاد ہوا ہے کہ ——— (اے لوگو) کھڑکھڑانے والی۔ کیا ہے کھڑکھڑانے والی۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ کھڑکھڑانے والی۔ جس دن لوگ پتنگوں کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے۔ اور پہاڑ دھنسے ہوئے رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر جس شخص کا پلہ بھاری ہوگا وہ دل پسند آرام میں ہوگا۔ اور جس شخص کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ وہ کیا ہے۔ بھڑکتی ہوئی آگ (القارعہ ۱-۱۱)

قیامت کا بھونچال ہر چیز کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔ لوگوں کے تمام استحکامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ایک نیا عالم بنے گا۔ جہاں سارا وزن صرف حق میں ہوگا۔ بقیہ تمام چیزیں اپنا وزن کھو دیں گی۔ موجودہ دنیا میں انسانوں کی پسند کا رواج ہے۔ یہاں انسانوں کی نسبت سے چیزوں کا وزن قائم ہوتا ہے۔ آخرت کی دنیا خدا کی دنیا ہے۔ وہاں خدا کی پسند کے اعتبار سے ایک چیز وزن دار ہوگی اور دوسری چیز بالکل بے وزن ہو کر رہ جائے گی۔

دنیا میں اعمال کا وزن ظاہر کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ آخرت میں اعمال کا وزن ان کی اندرونی حقیقت کے اعتبار سے ہوگا۔ جس آدمی کے عمل میں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ وزنی قرار پائے گا۔ جو عمل اخلاص سے خالی ہو وہ آخرت میں بالکل بے وزن ہو کر رہ جائے گا۔ خواہ موجودہ دنیا میں ظاہر بینوں کو وہ کتنا ہی زیادہ باوزن دکھائی دے رہا ہو۔

موجودہ دنیا میں وہ عمل وزنی بنتا ہے جس میں دنیوی حالات کی رعایت شامل ہو، جو وقت کے رواج سے مطابقت رکھتا ہو، جو وقت کی سماجی روایات میں قابل لحاظ بن گیا ہو، جو لوگ اس طرح کے عمل کا ثبوت دیں وہ دنیا کے ماحول میں عظمت اور وقار کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

آخرت کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہوگا۔ وہاں با اصول زندگی باوزن قرار پائے گی۔ وہاں اعلیٰ معیار کے مطابق کیا ہوا عمل قابل لحاظ سمجھا جائے گا۔ وہاں وقتی مصلحت کے بجائے ساری اہمیت اس عمل کو حاصل ہو جائے گی جو اپنے اندر ابدی اقدار کی صفت رکھتا تھا۔

دنیا میں باطل بھی باوزن دکھائی دے سکتا ہے۔ لیکن آخرت میں حق کے سوا کسی چیز میں وزن نہ ہوگا۔

مادی دوڑ

قرآن کی سورہ نمبر۱۰۲ میں ارشاد ہوا ہے ـــــ (اے لوگو) زیادہ کی حرص نے تم کو غفلت میں رکھا، یہاں تک کہ تم مر کر قبروں میں جا پہنچے، ہرگز نہیں، تم بہت جلد جان لوگے۔ پھر ہرگز نہیں، تم بہت جلد جان لوگے۔ ہرگز نہیں۔ کاش تم یقین کے ساتھ جانتے، کہ تم ضرور دوزخ کو دیکھوگے۔ پھر تم اس کو یقین کی آنکھ سے دیکھوگے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں پوچھ ہوگی (التکاثر ۱ - ۸)

موجودہ دنیا طرح طرح کی مادی چیزوں کا ایک وسیع دسترخوان ہے، یہ چیزیں دنیا میں امتحان کے لیے رکھی گئی ہیں نہ کہ آزادانہ استفادہ کے لیے۔ آدمی اگر ان چیزوں کو امتحان کی نظر سے دیکھے تو وہ بقدر ضرورت ان کو حاصل کرے گا اور احتیاط اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ان کو استعمال کرے گا۔

لیکن آدمی عام طور پر ذمہ دارانہ رویہ پر قائم نہیں رہ پاتا۔ مادی چیزوں کی کشش اس کو اپنی طرف اس طرح کھینچتی ہے کہ وہ ان ہی کی طرف دوڑ پڑتا ہے مزید یہ کہ اس کی حرص کہیں نہیں رکتی۔ وہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے وہ اپنے پورے وجود کو دنیا کی کمائی میں مشغول کر دیتا ہے۔ وہ اسی حال میں اپنے صبح و شام بسر کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آجاتا ہے، وہ اپنی زندگی بھر کی کمائی کو موجودہ دنیا میں چھوڑ کر آخرت کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ اس وقت اچانک وہ اپنے آپ کو اس حال میں پاتا ہے کہ اس کے پاس ان چیزوں میں سے کوئی چیز نہیں جو زندگی کے اگلے مرحلے میں اس کے کام آسکے۔ آدمی چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کمائے، وہ زیادہ سے زیادہ ساز و سامان اپنے پاس جمع کرے۔ وہ اسی دھن میں لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی موت آجاتی ہے۔ اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ جمع کرنے کی چیز تو دوسری تھی اور میں کسی اور چیز کو جمع کرنے میں مصروف رہا۔

دنیا کی چیزوں کا اضافہ صرف آدمی کی مسئولیت کو بڑھاتا ہے۔ اور آدمی اپنی نادانی سے یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی کامیابی میں اضافہ کر رہا ہے۔

زمانہ گواہ ہے

قرآن کی سورہ نمبر ۱۰۳ میں ارشاد ہوا ہے ——— زمانہ گواہ ہے۔ بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ کہ ایمان لائے اور نیک عمل کیا اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی (العصر ۳-۱)

انسان ایک مخصوص زمانہ میں پیدا ہوتا ہے۔ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عمر آگے بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمانہ کی اس حد پر پہنچ جاتا ہے جو اس کی عمر کی آخری حد ہے۔ اب اس پر موت آجاتی ہے۔ انسانی زندگی کی یہ نوعیت بتاتی ہے کہ وہی انسان کامیاب ہے جو اپنے ملے ہوئے وقت کو استعمال کر سکے۔ ورنہ وقت گزر جائے گا اور آخر میں اس کے حصہ میں کچھ نہ ہوگا۔

آدمی ہر لمحہ اپنی موت کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر اپنی مہلتِ عمر کو استعمال نہ کرے تو آخر کار اس کے حصہ میں جو چیز آئے گی وہ صرف محرومی ہے۔ کامیاب ہونے کے لیے آدمی کو خود عمل کرنا ہے جبکہ ناکامی کے لیے کسی عمل کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے آپ اس کی طرف بھاگی چلی آرہی ہے۔

ایک بزرگ نے کہا کہ سورہ عصر کا مطلب میں نے ایک برف بیچنے والے سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ لوگو، اس شخص پر رحم کرو جس کا اثاثہ گھل رہا ہے۔ لوگو، اس شخص پر رحم کرو جس کا اثاثہ گھل رہا ہے۔ اس پکار کو سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ جس طرح برف پگھل کر کم ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح انسان کو ملی ہوئی عمر بھی تیزی سے گزر رہی ہے۔ عمر کا موقع اگر بے عملی میں یا برے کاموں میں کھو دیا جائے تو یہی انسان کا گھاٹا ہے (تفسیر کبیر امام رازی)

اپنے وقت کو صحیح استعمال کرنے والا وہ ہے جو موجودہ دنیا میں تین باتوں کا ثبوت دے۔ ایک ایمان، یعنی حقیقت کا شعور اور اس کا اعتراف۔ دوسرے عمل صالح، یعنی وہی کرنا جو کرنا چاہیے اور وہ نہ کرنا جو نہیں کرنا چاہیے۔ تیسرے حق و صبر کی تلقین، یعنی حقیقت کا اتنا گہرا ادراک کہ آدمی اس کا داعی اور مبلغ بن جائے۔

اس دنیا میں ایک کامیاب زندگی پانے کے لیے صبر لازمی طور پر ضروری ہے۔ آدمی جب خلافِ ایمان باتوں کا چھوڑنا برداشت کرتا ہے، اسی وقت اس کو ایمان کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ اپنی خواہشوں پر بریک لگاتا ہے، اسی وقت عمل صالح کو اختیار کرنا اس کے لیے ممکن ہوتا ہے۔ جب وہ لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی ناخوشگواریوں پر صبر کرتا ہے۔ اسی وقت وہ اس قابل ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو حق کی نصیحت کر سکے۔

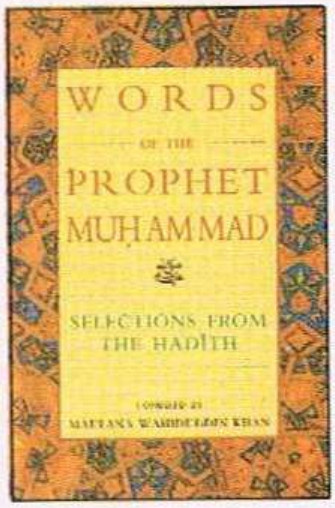

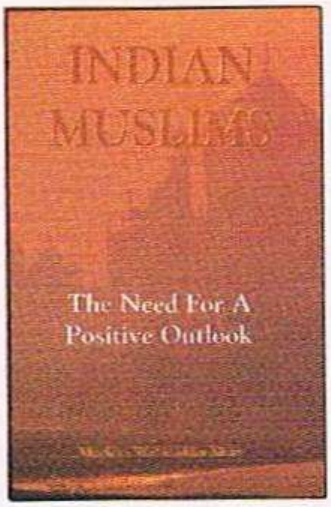

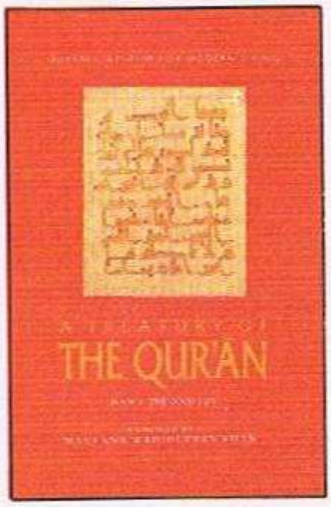

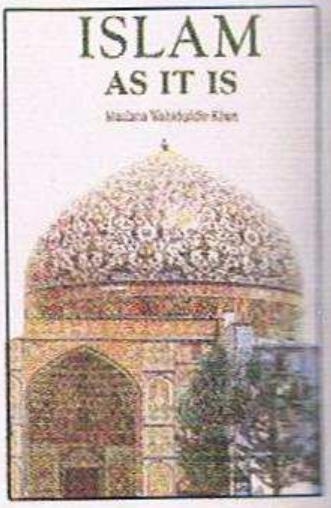

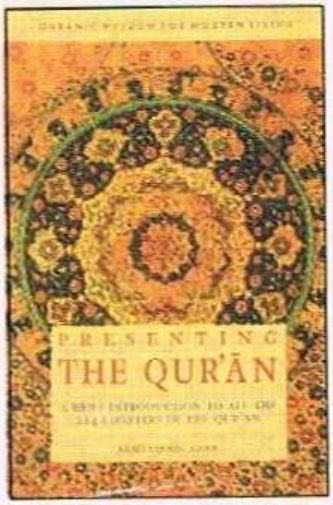

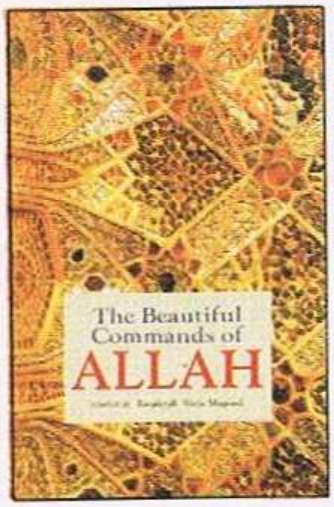

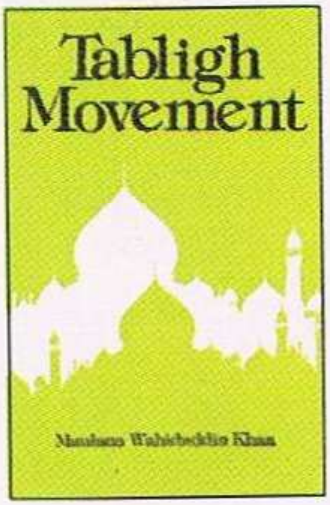

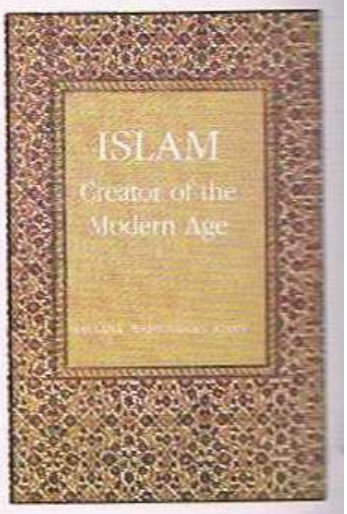

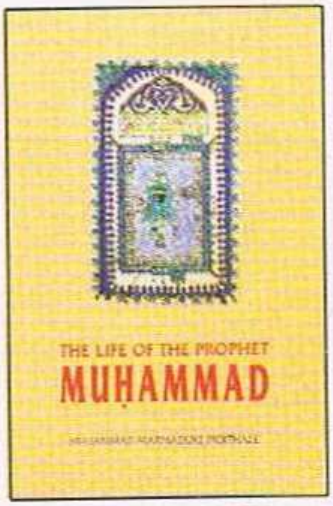

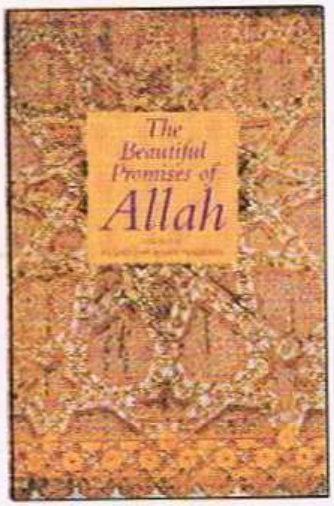

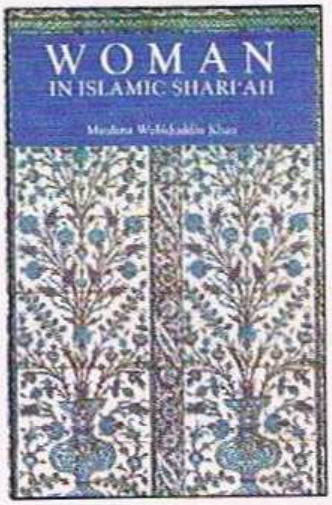

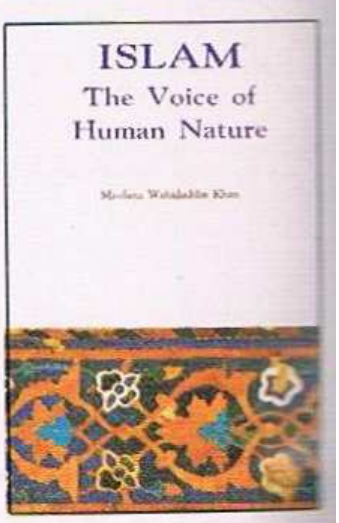

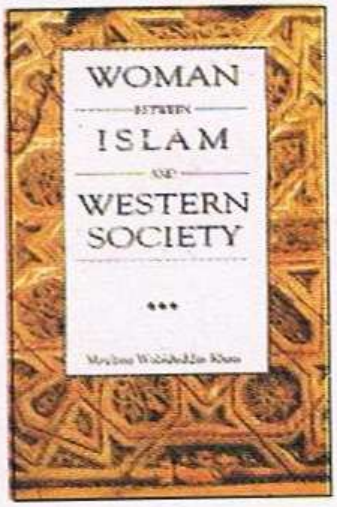

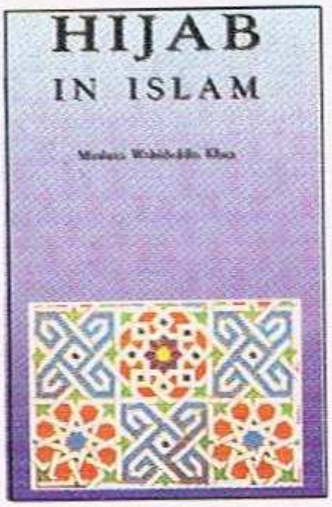

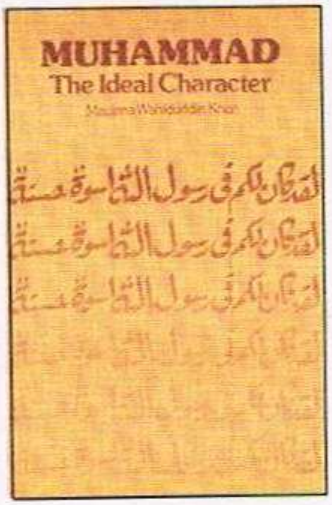

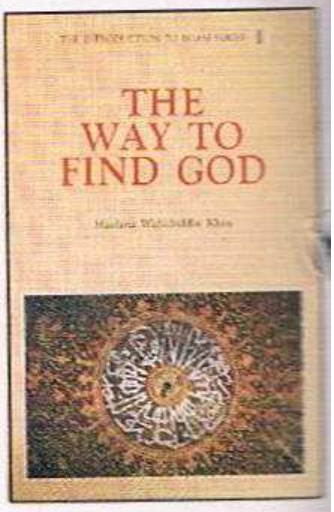

AL-RISALA BOOK CENTRE

1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013

Finest collection of books on Islam

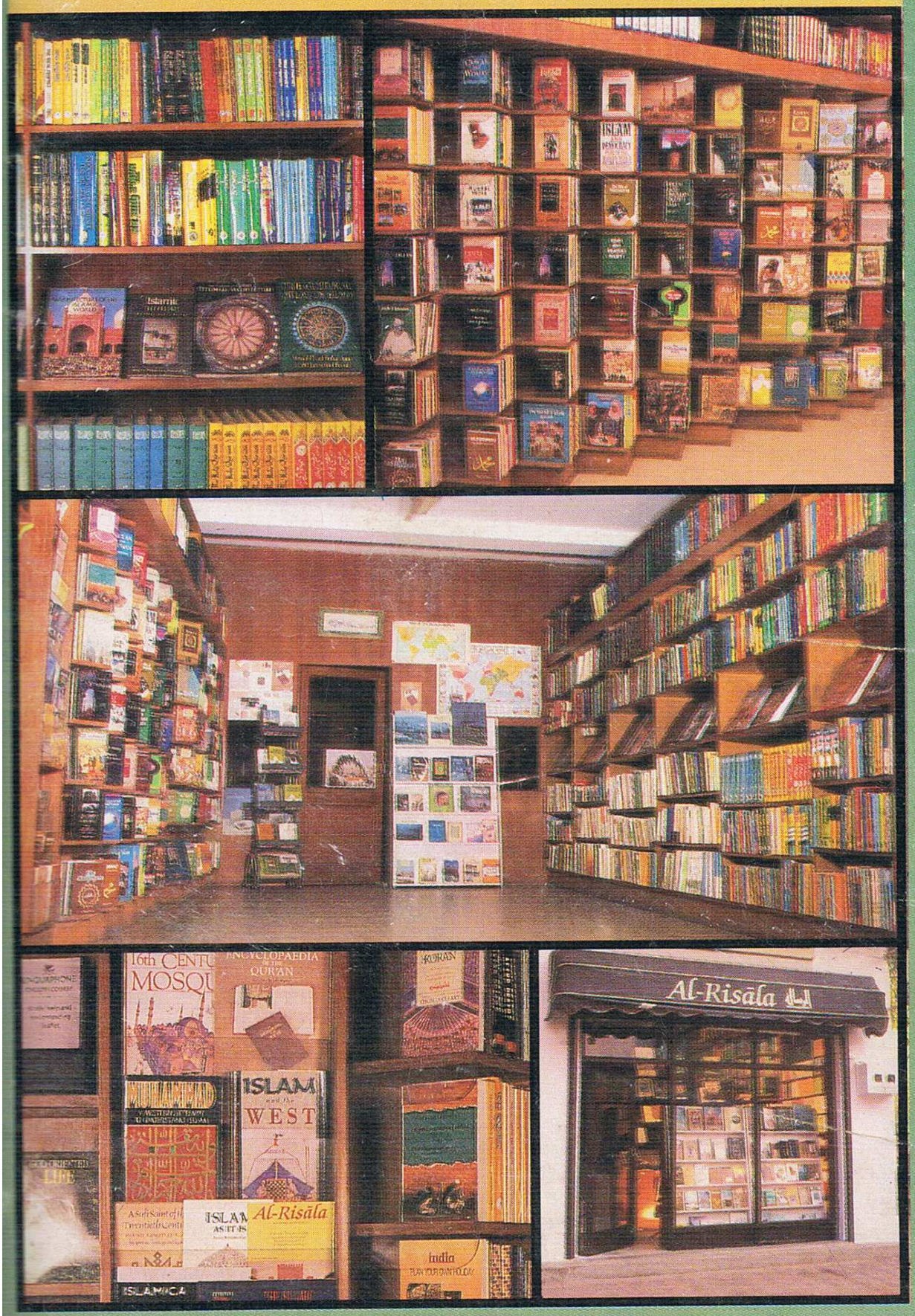

RNI 28822/76 • U(SE) 12/97
Delhi Postal Regd. No. DL/11154/97

AL-RISALA BOOK CENTRE
1, Nizamuddin West Market, Near DESU, New Delhi-110 013
Tel. 4611128 Fax 4697333